نومبر ۱۹۹۱ء

ماہنامہ

لاہور

میثاق

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے خدوخال

تحریکِ خلافت کے دس نکاتی منشور کے آئینے میں

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا مفصل خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

نزلہ کُشتن روزِ اوّل

گلے میں خراش محسوس ہو یا چھینکیں آنا شروع ہوں تو سمجھ لیجیے کہ نزلہ زکام کی آمد آمد ہے۔ اسے معمولی بیماری سمجھ کر نظر انداز نہ کیجیے۔ فوری جوشینا لیجیے ورنہ زکام، کھانسی اور بخار جیسے تکلیف دہ امراض لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

جوشینا۔ صدیوں سے استعمال ہونے والے جوشاندے کے نہایت مؤثر، کافی و شافی قدرتی اجزا کا خُلاصہ (ایکسٹریکٹ) ہے جو ہمدرد کے ماہرینِ فن نے سال ہا سال کے تجربات و تحقیق کے بعد جدید دور کے مصروف انسان کے لیے تیار کیا ہے تاکہ اسے جوشاندے کو ابالنے، چھاننے اور شکر ملانے کی زحمت نہ کرنی پڑے۔ ایک پیکٹ جوشینا ایک کپ گرم پانی میں ڈالیے، فوری استعمال کے لیے جوشاندے کی ایک خوراک تیار ہے۔

ہمدرد کی فنّی محنت اور دوا سازی کی صلاحیت کا مظہر

جوشینا | جوشاندے کی مکمل توانائی

نزلہ و زکام ۔ جوشینا سے آرام

ہمدرد

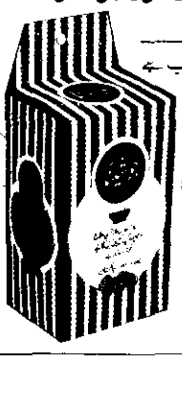

جوشینا دو پیکنگوں میں دستیاب ہے خوب صورت پلاسٹک مگ میں اور گتّے کے کارٹن میں۔

آدابِ اخلاق
عفو و درگذر
بہترین انتقام
ہے

Adarts JOS 1/89

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۰

شمارہ: ۱۱

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

نومبر ۱۹۹۱ء

فی شمارہ ۵/-

سالانہ زرِ تعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶- امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹- امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲- امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاھور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰- فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیمِ اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷- اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❖ عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ اور اخباری بیانات کے پریس ریلیز

❖ تذکرہ و تبصرہ ——— ۵

❖ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خدوخال ——— ۱۱

تحریکِ خلافت کے دس نکاتی منشور کے آئینے میں

امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

❖ مطالباتِ دین ——— ۳۳

دعوتِ بندگیٔ رب (دوسری قسط)

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱ کی روشنی میں

——— ڈاکٹر اسرار احمد

❖ الہدیٰ، (قسط ۷۶) ——— ۴۵

انقلاب نبویؐ کا اساسی منہاج۔ سورۃ الجمعہ کی روشنی میں (۳)

——— ڈاکٹر اسرار احمد

❖ کتابیات ——— ۵۸

اخروی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب 'کبائر' کے بابِ اوّل کی فصل خامس (۲)

——— ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

❖ رفتارِ کار ——— ۶۷

- لاہور میں خلافت کانفرنس
- امیر تنظیم اسلامی کا حالیہ دورہ کراچی

❖ خطوط و نکات ——— ۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

نظامِ خلافت سے ہماری کیا مراد ہے' اور اس کے خدوخال اور نمایاں اوصاف کیا ہیں' اس موضوع پر امیر تنظیمِ اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پچھلے تین ماہ کے عرصے میں ایک سے زائد بار مفصل اظہارِ خیال فرما چکے ہیں۔ عوام النّاس کو اسلام کے حقیقی سیاسی نظام سے متعارف کرانا اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یا بالفاظ دیگر نظامِ خلافت کے خدوخال اور اس کے ثمرات و برکات سے آگاہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔۔۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام کے حوالے سے لوگوں کے ذہنوں میں نہ صرف یہ کہ مختلف النّوع شکوک و شبہات موجود ہیں بلکہ بے شمار غلط فہمیاں بھی ذہنوں پر تسلّط جمائے ہوئے ہیں۔ ان غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کو پھیلانے میں کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہے' یہ تلخ داستان صدیوں پر محیط ہے اور اس میں بلاشبہ کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ بقول اقبال اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی کے رُخِ انور پر پردے ڈالنے والے سب سے پہلے خود دورِ ملوکیت کے عرب سلاطین تھے جنھوں نے اپنے مفادات اور نظامِ ملوکیت کے تحفظ کے لئے اسلام کے اجتماعی نظام کو صحیح شکل میں بروئے کار آنے نہیں دیا' پھر حال پر نگاہ ڈالیں تو پچھلے گیارہ سالہ مارشل لاء کے دور میں بھی بد قسمتی سے اسلام کے نام کو کچھ اس طور سے اچھالا اور استعمال کیا گیا کہ اسلامی نظام کے بارے میں عام لوگوں کے ذہنوں پر مسلّط شکوک و شبہات کے بادل اور دبیز ہو گئے اور اس تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کا فخر آئی جے آئی کی موجودہ حکومت کو حاصل ہوا کہ "شریعت ایکٹ" کے نام سے ایک ایسا ایکٹ منظور کیا گیا جسے شریعت کے نام پر دھوکہ اور فریب ہی قرار دیا جا سکتا ہے' اور تاثر یہ دیا گیا کہ نفاذِ شریعت کی منزل سر کر لی گئی ہے' نتیجۃً ایک عام آدمی حیران ہے کہ اگر نفاذِ شریعت کے بعد بھی ملک میں امن و امان کی صورت حال دگرگوں بلکہ پہلے سے

بدتر ہے، سیاسی افراتفری اسی طرح ہے معاشی و اقتصادی حالات پہلے سے زیادہ زبوں ہیں اور ایک غریب آدمی یا سفید پوشی کا بھرم رکھنے والے کے لئے قافیۂ حیات روز بروز تنگ سے تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے تو ایسی شریعت ہمارے کس کام کی! ـــــ ان حالات میں اسلامی نظام کے خدوخال کو نمایاں کرنا اور اس حوالے سے لوگوں کے ذہنوں سے مذکورہ بالا غلط فہمیوں کو دور کرنا بلاشبہ وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے ـــــ نظام خلافت کے دس نکاتی منشور کے حوالے سے نظام خلافت کے خدوخال پر امیر تنظیم اسلامی کے مفصّل خطابات کے نہایت مختصر پریس ریلیز تو اس سے قبل 'میثاق' میں شائع ہوئے ہیں لیکن کوئی مفصل خطاب تاہنوز 'میثاق' کی زینت نہیں بن سکا۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے زیر نظر شمارے میں مذکورہ بالا موضوع پر امیرِ تنظیم کا ایک خطاب مکمل صورت میں شائع کیا جا رہا ہے جو انہوں نے ۴ر اکتوبر کو ۳۶ر اے مزنگ روڈ پر مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے ماہانہ دعوتی اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا۔

☆ ☆ ☆

حسب اعلان تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام ۱۳ر اکتوبر کو باغ بیرون موچی دروازہ میں تحریک خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ جلسہ پچھلے سال کے جلسے کے مقابلے میں زیادہ بھرپور تھا، امیر تنظیم اسلامی نے نظامِ خلافت کے خدوخال پر بڑے شرح و بسط سے روشنی ڈالی۔ شرکاء کی دلچسپی اور انہماک دیدنی تھا۔ جلسے کے مقررین میں تنظیم اسلامی کے بعض رفقاء کے علاوہ جنرل (ریٹائرڈ) تجمل حسین بھی شامل تھے جن کا نام تحریک خلافت کے اولین معاونین میں آتا ہے۔ اس جلسے کی مفصل اور مصوّر روداد 'ندا' کے ۱۵ تا ۳۱ اکتوبر کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے، تاہم ناظمِ تنظیم لاہور کی مرتب کردہ ایک رپورٹ جو جلسہ کے پس منظر اور جلسے کی تیاری کے ضمن میں ترتیب دیئے گئے تشہیری نوعیت کے پروگراموں کی تفصیل پر مشتمل ہے، زیرِ نظر شمارہ میں شامل ہے ـــــ ۱۹ر اکتوبر کو اسی نوع کا ایک جلسہ ملتان میں ہوا، یہ جلسہ بھی تسلی بخش حد تک کامیاب رہا۔ جلسے سے قبل امیر تنظیم نے ملتان میں پریس کانفرنس سے خطاب کیا، صحافیوں کے ساتھ سوال و جواب کی نشست بڑی بھرپور رہی۔ ندا کی

(باقی صـ۶۶ پر)

تذکرہ و تبصرہ

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ اور اخباری بیانات کے پریس ریلیز

میڈرڈ امن کانفرنس اور امریکہ کا کردار

۲ر نومبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور ۲ر نومبر ۹۱ء امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے میڈرڈ امن کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے بیان میں کہا کہ مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے لئے امریکہ کی زیر سرپرستی منعقد ہونے والی نام نہاد امن کانفرنس در حقیقت اسرائیل کو تسلیم کرانے کی امریکی چال تھی جو بڑی حد تک کامیاب رہی۔ انہوں نے کہا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ میڈرڈ کانفرنس میں امریکہ' روس اور اسرائیل تینوں ممالک کے سربراہ تو خود شریک ہوئے مگر کسی بھی عرب ملک کا سربراہ وہاں موجود نہ تھا۔ میڈرڈ کانفرنس کے منظر کو دیکھ کر فوری تأثر یہ سامنے آتا ہے کہ امن کے منصوبے کی آڑ میں امریکہ نے در حقیقت تمام عرب ممالک کو قطار اندر قطار اسرائیلی وزیر اعظم کے سامنے مجرموں کی طرح حاضر کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے امن کانفرنس کے حوالے سے عرب حکمرانوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ عربوں کے مربّی و آقا امریکہ نے عربوں کا کوئی ایک مطالبہ بھی تسلیم نہیں کیا جب کہ اسرائیل اپنی تمام شرائط منوا کر ہی کانفرنس میں شریک ہوا۔

عرب حکمرانوں کے ساتھ امریکہ نے جو خوشنما وعدے کر رکھے تھے ان کی حقیقت میڈرڈ امن کانفرنس سے پوری دنیا پر آشکارا ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ امن کانفرنس کی ناکامی کا نتیجہ عرب حکمرانوں کے خلاف عرب نوجوانوں کے ردِّ عمل کی صورت میں ظاہر ہو۔ اگر ایسا ہوا تو عرب ممالک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جائیں گے اور بالآخر یہی خانہ جنگی ایک خوفناک جنگ کی تمہید بن جائے گی۔ اسرائیلی وزیر اعظم

اسحاق شمیر نے بھی یہ بات کہی ہے کہ میڈرڈ امن کانفرنس ایک بہت بڑی جنگ کی تمہید ثابت ہو گی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے امریکی طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکی صدر جارج بش امن کانفرنس کا افتتاح کر کے یہ کہتے ہوئے رفو چکر ہو گئے کہ ہم کسی فریق کو کوئی بات تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے' حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ خود امریکہ اسرائیل کی خواہشات پوری کرنے پر مجبور ہے' جب کہ عربوں سے کئے ہوئے وعدے سبز باغ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ امریکہ کا یہ طرز عمل ظاہر کرتا ہے کہ اسے عربوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' لیکن اس کے اسرائیل اور یہودیوں کے ایجنٹ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔ امیرِ تنظیم اسلامی نے کہا کہ اس کردار کے حامل امریکہ سے کسی خیر کی توقع کو سوائے بے وقوفی اور حماقت کے کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایران کا ردِ عمل بالکل درست ہے' تاہم اس نے جس طرح سب عرب شرکاء کو واجب القتل قرار دیا ہے ویسا فتوٰی دینا انہی کا شیوہ ہے' ہم یہ جسارت نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کے جداگانہ تشخّص کو درپیش خطرات اور عالم اسلام کی ذمہ داری

۱۸ر اکتوبر کے خطاب جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور: ۱۸ر اکتوبر ۹۱ء سیکولر ازم کا فلسفہ آج پوری دنیا پر حکمران ہے' جسے ۱۷۷۶ء میں یہودی سنڈیکیٹ نے سازش اور لائحہ عمل کے طور پر تیار کیا تھا تاکہ اجتماعی زندگی کے تینوں گوشوں یعنی معاشی' سیاسی اور سماجی معاملات کا مذہب سے تعلق ختم کیا جا سکے۔ پوری نوع انسانی اور بالخصوص عیسائی دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے انہوں نے یہ ہتھکنڈا اختیار کیا' چنانچہ آج پوری دنیا سیکولرازم کے نظریہ کی اسیر بن چکی ہے۔ اسی نظریۂ حیات کا نام اب "نیو ورلڈ آرڈر" ہے جو حقیقت میں "جیو ورلڈ آرڈر" ہے۔ امیر تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد نے باغ جناح' مسجد دار السلام میں نماز جمعہ سے قبل خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت پوری دنیا میں "کامن سول کوڈ" کا نظریہ نافذ ہے جس کا ایک بڑا مقصد مسلمانوں کے جداگانہ تہذیبی تشخص کو ختم کرنا ہے۔ بد قسمتی سے

مسلمانانِ عالم نے بھی اس سازش کا شکار ہو کر اسلام کو بطور ایک مذہب کے تو اختیار کر رکھا ہے مگر اسلام کو بحیثیت دین اختیار نہیں کیا' چنانچہ ایک نظام زندگی کے طور پر اسلام دنیا کے کسی ایک مسلم ملک میں بھی رائج نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک نظریۂ حیات اور نظامِ زندگی کا نام ہے جسے غالب و نافذ کرنا مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے۔

داعیٔ تحریکِ خلافت نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۶۲ء میں سابق صدر ایوب کے دورِ حکومت میں "مسلم فیملی لاز" کے نام سے ایسا قانون لاگو کیا گیا تھا جسے تمام مکاتبِ فکر کے مسلّمہ علماء نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا تھا' مگر اس کے باوجود یہ غیر اسلامی عائلی قوانین ۱۱ سالہ نام نہاد اسلامی مارشل لاء دور میں بھی جاری رہے اور اب آئی جے آئی کے دورِ حکومت میں بھی بدستور نافذ ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم اسلام کو بطورِ دین اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں' بلکہ اسلام کو محض پرائیویٹ زندگی کا مذہب قرار دے کر اسے انسان کی صرف انفرادی زندگی تک محدود کر دینا چاہتے ہیں' جیسا کہ انگریز دورِ حکومت میں تھا۔ انہوں نے کہا بحیثیت قوم ہم نے غیر اسلامی عائلی قوانین کو تسلیم کر کے اسلام کے عائلی قوانین کو مسترد کر رکھا ہے۔ ہم سے تو بھارت کے مسلمان بہتر ہیں، جنہوں نے اس مسئلے پر دلیرانہ موقف اختیار کر کے بھارتی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ امیر تنظیم اسلامی نے یاد دلایا کہ "دو قومی نظریہ" کا نعرہ بلند کر کے برّعظیم کے مسلمانوں نے بڑی زور دار اور انقلابی پکار بلند کی تھی جس کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا' ورنہ وطنی قومیت کے تصور کی رُو سے اگر پورا ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہو جاتا اور پاکستان کا قیام اگر خدا نخواستہ عمل میں نہ آتا تو اس بات کا شدید اندیشہ موجود تھا کہ یہاں ہمیشہ کے لئے اسلام کے نظام اجتماعی کا قیام ناممکن ہو جاتا۔ دو قومی نظریے ہی کی بدولت پاکستان جیسا ملک دنیا کے نقشے پر ابھر سکا جہاں مسلمان اس قدر فیصلہ کن اکثریت کے حامل ہیں کہ اگر وہ اسلام کو بطور نظام زندگی اختیار کرنا چاہیں تو انہیں دنیا کی کوئی "طاقت" اور دنیا کا کوئی "آرڈر" نہیں روک سکتا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری بہت بڑی کوتاہی ہے کہ ہم آج تک پاکستان میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو بروئے کار نہیں لا سکے جو عالم انسانیت کے لئے سراپا رحمت ہے اور جس کی تلاش میں دنیا مختلف نظاموں کو آزما کر تھک چکی ہے۔ کیمونسٹ انقلاب کے لئے لوگوں نے بڑی قربانیاں دی تھیں' بہت خون بہایا تھا لیکن یہ

تجربہ ناکام ہو چکا ہے۔ اب بھی اسلام کے نظامِ حیات کو، جسے نظامِ خلافت کہنا زیادہ موزوں ہو گا، نافذ نہ کیا گیا تو اللہ کی نگاہ میں ہم سے بڑا مجرم اور کوئی نہ ہو گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سیکولرازم میں اللہ کی حاکیت تسلیم نہیں کی جاتی بلکہ ملکی معاملات میں اکثریت کی رائے ہی فیصلہ کن ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ بنیادوں پر استوار نظام کو انتخابات میں حصہ لے کر تبدیل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لئے ایک انقلابی جدوجہد یعنی ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے جو موجودہ نظامِ باطل کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے۔ تنظیم اسلامی پاکستان نے تحریک خلافت کا آغاز رائج الوقت نظامِ کہنہ کو اسلام کے نظام خلافت سے تبدیل کرنے کے لئے ہی کیا ہے۔ یہی وہ لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے موجودہ استحصالی، ظالمانہ اور غیر اسلامی نظام کا دھڑن تختہ کر کے اسلام کا کفالتِ عامہ پر مبنی نظام رائج کیا جا سکتا ہے جس میں حاکمیتِ عوام کی بجائے خلافت المسلمین کا تصور کارفرما ہو گا۔ داعیٔ تحریکِ خلافت نے مختلف دانشوروں کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا کہ ہم در حقیقت اسلام کا وہ نظام عدل اجتماعی قائم کرنا چاہتے ہیں جس پر نہ تو دور ملوکیت کی کوئی چھاپ ہو اور نہ خلافتِ بغداد کا کوئی اثر ہو۔ قیام خلافت سے ہماری مراد اس سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کا قیام ہے جس کا کامل اور آئیڈیل نمونہ خلافتِ راشدہ کا وہ سنہرا دور ہے جو نوعِ انسانی کی اجتماعی یاد داشت میں آج بھی ایک حسین خواب کی مانند موجود ہے اور جس میں اسلامی نظام کی برکات کا ظہور پورے طور پر محسوس کیا جاتا تھا۔

”نظام کی تبدیلی کے بغیر اسلامی قوانین کی اصل برکات ظاہر نہیں ہوتیں!“

جلسہ عام کی اخباری رپورٹنگ کے بارے میں ایک وضاحت

لاہور: ۱۴ اکتوبر ۹۱ء امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۳ اکتوبر کو باغ بیرون موچیدروازہ میں منعقدہ خلافت کانفرنس میں خطاب کے دوران اسلامی نظام کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی قوانین کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کو بھی قائم کیا جائے۔ انہوں نے کہا تھا کہ موجودہ سرمایہ

دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کو بدلے بغیر محض اسلامی قوانین کی تنفیذ سے وہ برکات ظاہر نہیں ہوں گی جو اسلامی نظام کے قیام کے ثمرات کے طور پر لازماً ظاہر ہوتی ہیں۔ ان کا مقصد ہرگز اسلامی قوانین کی اہمیت کو کم کرنا نہیں تھا۔ جیسا کہ بعض اخبارات (بالخصوص جنگ) کی رپورٹنگ سے ظاہر ہے' بلکہ اسلامی نظام کے قیام کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرنا ان کے پیش نظر تھا۔ مزید برآں یہ بات ان کی طرف بالکل غلط طور پر منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے اسلامی قوانین کو تبدیل کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ یہ بات صریحاً خلافِ واقعہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا پختہ موقف یہ ہے کہ اسلامی قوانین کے معاملے میں ہمیں اپنے اسلاف کی طرف رجوع کرنا ہو گا اور سوائے ان معاملات کے جن کا تعلق نو پیدا شدہ مسائل سے ہے اور جن میں اجتہاد ناگزیر ہے' تمام معاملات میں ہمیں اسلاف ہی کے راستے کو اختیار کرنا ہے اور پہلے سے مرتّب شدہ قوانین میں تبدیلی کا سوچنا ہرگز درست نہیں۔

اسی طرح ایک اور اخبار (مساوات) نے ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف یہ بات غلط طور پر منسوب کی ہے کہ انہوں نے اپنے خطاب میں موجودہ حکومت کو "ابلیسی حکومت" قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے موجودہ سرمایہ دارانہ' غیر منصفانہ اور استحصالی نظام کو ابلیسی نظام سے تعبیر کیا تھا' کسی خاص فرد یا کسی خاص حکومت کے لئے یہ الفاظ نہیں کہے تھے۔

"فرقہ واریت کا خاتمہ کیسے ہو؟"

مذہبی جلوسوں پر پابندی کی تجویز کے بارے میں ضروری وضاحت

لاہور: ۱۸ر اکتوبر ۹۱ء امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے روز نامہ جنگ میں شائع شدہ شیعہ راہنما خواجہ اجمل حیدر کے اس بیان پر حیرت کا اظہار کیا ہے جس میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے ہر قسم کے مذہبی جلوسوں پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے یہ بات ۱۵ر اکتوبر کے جنگ فورم میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے حوالے سے کہی۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے اس فورم میں ہرگز ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا' بلکہ انہوں نے مذکورہ جنگ فورم میں' جس کا عنوان تھا "فرقہ واریت کا خاتمہ کیسے ہو؟" ان خیالات کا اظہار کیا تھا کہ فرقہ واریت اور موجودہ منافرت کی شدت کو

کم کرنے کے لئے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو مل بیٹھ کر سوچنا چاہئے اور کوئی ایسا اجتماعی لائحہ عمل ترتیب دینا چاہئے جس سے موجودہ منافرت کی فضا کو ختم کیا جا سکے۔ اس لئے کہ یہ کام علماء ہی کے کرنے کا ہے، حکومت اس معاملے میں کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں علاوہ دیگر تجاویز کے یہ تجویز پیش کی تھی کہ امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے پیش نظر پورے عالم اسلام بالخصوص پاکستان اور ایران کو جو سنگین صورتحال درپیش ہے اس کے تقاضے کے طور پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء اگر ملک و ملت کے مفاد کی خاطر باہم مل کر یہ طے کر لیں کہ آئندہ کسی قسم کے مذہبی جلوس نہیں نکالیں گے بلکہ وہ اپنے مذہبی جذبات کا اظہار اپنی اپنی عبادت گاہوں تک محدود رکھیں گے تو اس سے بھی موجودہ تناؤ کی صورتحال کو کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات مطالبے کی صورت میں ہرگز نہیں کہی تھی، بلکہ علماء کے غور و فکر کے لئے ایک تجویز کے طور پر سامنے رکھی تھی کہ وہ ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ان امور پر سنجیدگی سے سوچیں اور مل جل کر کوئی لائحہ عمل تشکیل دیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے اس بات پر حیرت اور افسوس کا اظہار کیا کہ ان کی بات کو غلط رنگ دیا گیا، حالانکہ فورم میں دیگر علماء کے ساتھ شیعہ علماء بھی موجود تھے جو یقیناً اس بات کی تائید کریں گے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات مذکورہ سیاق و سباق ہی میں کہی تھی، کسی اور رنگ میں نہیں کہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا کہ ادارۂ جنگ نے ان کی تقریر چونکہ ریکارڈ کر لی تھی، لہٰذا کسی کو اس بارے میں شک ہو تو ادارۂ جنگ سے ان کی تقریر کا کیسٹ حاصل کر کے حقیقتِ حال معلوم کر سکتا ہے۔

بقیہ : رفتارِ کار

آنحضورؐ کی سیرت بیان کی۔ گذشتہ سطور میں جو باتیں عرض کی گئی ہیں انہی کو مختلف حوالوں سے مختلف پیرائے میں بیان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا حضورؐ کی پوری زندگی جدوجہد میں گذری ہے اور یہی آپؐ کی سیرت ہے، یہی آپؐ کا اُسوہ ہے۔ جو لوگ آپؐ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں بھی انہی راہوں سے گذرنا ہو گا، تب کہیں جا کر اطاعت کا ادنیٰ حق ادا ہو سکتا ہے، ورنہ ہمارے معاشرے میں دودھ پینے والے مجنوں تو بہت ملیں گے!!

سلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے خدوخال

تحریکِ خلافت کے دس نکاتی منشور کے آئینے میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ماہانہ دعوتی پروگرام میں امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

خطبۂ مسنونہ، سورۃ البقرۃ کی آیت ۳۰، سورۂ صٓ کی آیت ۲۶ اور سورۃ النور کی آیت ۵۵ کی تلاوت کے بعد ڈاکٹر اسرار صاحب نے فرمایا:

ہم نے اللہ کا نام لے کر تحریکِ خلافتِ پاکستان کا آغاز کر دیا ہے تاکہ پاکستان میں وہ نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے جس کا عنوان "نظامِ خلافت" ہے۔ خلافت کے حوالے سے ذہنوں میں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں اور کئی اشکال جنم لیتے ہیں کہ دورِ جدید میں اگر خلافت کا نظام قائم ہوگا تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس نظام کے تحت کیسا سیاسی ڈھانچہ وجود میں آئے گا؟ کیا سربراہ مملکت کوئی بادشاہ ہوگا جس کو خلیفہ کا لقب دے دیا جائے گا؟ اس کا اقتصادی ڈھانچہ کیسا ہوگا؟ اور اس کے سماجی اور معاشرتی اصول کیا ہوں گے؟ آج کی اس نشست میں ان شاء اللہ یہ سارے سوالات زیرِ بحث آئیں گے۔

خلافت کا موضوع اس اعتبار سے بہت اہم اور لفظِ خلافت ہمیں بہت عزیز ہے کہ یہ قرآن مجید کی اصطلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ خلیفۂ ارضی کی حیثیت سے متعین کیا۔ چنانچہ تخلیقِ آدم سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ فرمایا کہ "میں زمین ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت کا منصب عطا کیا" اور پھر یہی وعدہ امتِ مسلمہ کیساتھ کیا گیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں فرمایا گیا:

(ترجمہ) "وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائیں اور عمل

صالح کا حق ادا کریں کہ وہ انہیں لازماً زمین میں خلافت عطا کرے گا' جیسا کہ خلافت عطا کی تھی ان کو جو ان میں سے پہلے تھے۔ اور ان کے لئے ان کے دین کو تمکن عطا فرما دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کی حالت پیدا کر دے گا۔ پھر ایسے لوگ میری ہی بندگی کریں گے' کسی کو میرے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پھر اس (قدر پختہ وعدے) کے بعد بھی جو لوگ روگردانی اختیار کریں (یعنی ایمان و عمل صالح کے تقاضے پورے نہ کریں) تو ایسے لوگ ہی فاسق (نافرمان) ہیں"۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں فاسق کا لفظ شیطان کے لئے استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الکہف میں فرمایا: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ" — اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کے تقاضے پورے نہیں کرتے تو گویا وہ شیطنت کی راہ پر چل رہے ہیں۔

علاوہ ازیں تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور سُنّی مسلمانوں کے لئے بالخصوص "خلافتِ راشدہ" ہی کا لازمی جزو ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

"اے مسلمانو ' تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو بھی لازم پکڑو اور میرے خلفاء کی سنت کو بھی مضبوطی سے تھامو!"

خلافتِ راشدہ کا دور ہماری تاریخ کا عہدِ زریں ہے' اس اعتبار سے بھی خلافت کے ساتھ ہمارا نہایت گہرا تعلق ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد کے ادوار میں بھی اگرچہ خلافت کا عنوان تو برقرار رہا' مگر بدقسمتی سے اس کی ہیئت بدلتی رہی۔ نظام خلافت میں تبدیلی کا آغاز تو اگرچہ بنوامیہ کے دور ہی میں ہوگیا تھا جب خالص ریپبلکن طرزِ حکومت سے ہٹ کر قبائلی اور خاندانی بنیاد پر حکومت کی بنیادیں اٹھائی گئیں' اس کے باوجود اس دور میں خلافت نے ابھی تک خالص ملوکیت کی شکل اختیار نہیں کی تھی' لیکن دورِ بنو عباس میں نظامِ حکومت نے مکمل ملوکیت کا روپ دھار لیا۔ بنوعباس کے دورِ حکومت کے بعد اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کی قیادت عربوں سے چھین کر ترکوں کو عطا کر دی۔ یوں خلافتِ عثمانیہ کے دور کا آغاز ہوگیا۔ بالآخر اس صدی میں یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا جب ۱۹۲۴ء

میں مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کے ادارے کو ختم کر دیا، جس پر علامہ اقبال نے اپنی نظم "ہلالِ عید" میں یہ درد انگیز شعر کہا ؎

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

ترکی کی یہ خلافت جیسی بھی تھی، بہرحال ایک علامت کی حیثیت سے موجود تھی اور اس کے حوالے سے ترکی کو مسلمانوں کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی، چاہے اسے اس وقت "یورپ کا مردِ بیمار" ہی شمار کیا جاتا تھا۔ محض علامت ہونے کے باوجود اس خلافت کا انگریزوں پر جو رعب اور دبدبہ تھا اس کا اندازہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے۔ مالٹا کی اسیری کے دوران جیل کا انگریز کمانڈنٹ شیخ الہندؒ کی شخصیت سے بہت متأثر ہو گیا تھا۔ وہ آپ کی روحانیت سے کچھ مانوس سا ہو گیا تھا اور اس کی مولانا سے بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ ایک روز گفتگو کے دوران مولانا نے اس انگریز افسر سے کہا کہ تم لوگ خلافت کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہو؟ اس کے اس قدر مخالف کیوں ہو گئے ہو کہ اسے ختم کرنے پر تُل گئے ہو، جب کہ خلافت تو مسلمانوں کے لئے محض ایک علامتی ادارہ ہے اور اس کی اصل روح کب کی ختم ہو چکی ہے! اس پر اس انگریز افسر نے کہا: مولانا آپ اتنے معصوم اور بھولے نہ بنیئے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس درجہ زوال پذیر ہونے کے باوجود خلافت کے اس علامتی ادارے کی یہ اہمیت ہے کہ اگر عثمانی خلیفہ اعلانِ جہاد کر دے تو جاوا اور سماٹرا سے لیکر موریطانیہ تک کے لاکھوں مسلمان سروں پر کفن باندھے میدان میں نکل آئیں گے۔ اس اندیشے اور خطرے کو ہمیشہ کے لئے اگر ختم کیا جا سکتا ہے تو خلافت کے اس ادارے کو ختم کر کے ہی کیا جا سکتا ہے چنانچہ خلافت کا یہ علامتی ادارہ بھی ختم ہو جانے پر علامہ اقبال مرحوم نے یہ مرثیہ کہا ؎

لا دینی و لا طینی کس پیچ میں الجھا تو؟
دارو ہے غلاموں کا لَا غالبَ اِلاّ ھُو!

نظامِ خلافت کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا قیامِ پاکستان کے مقصد سے گہرا تعلق ہے۔ اس وقت تفصیل کے ساتھ تو یہ بیان کرنے کا موقع نہیں ہے کہ پاکستان

کس لئے بنا تھا' اس کے لئے لاکھوں جانوں کی قربانی کس لئے دی گئی تھی ـــــ اور ہندوستان کی تقسیم جو بدقسمتی سے نہایت خونی ثابت ہوئی کس مقصد کے لئے ہوئی تھی؟ اگر ہمیں بھی اسی سیکولر نظام ہی کو لے کر چلنا تھا جو ہندوستان میں رائج ہے تو پھر الگ خطہء زمین کی کیا ضرورت تھی؟ اس وقت وہی پارلیمانی جمہوریت جسے انگریز چھوڑ گیا تھا' ہندوستان میں بھی رائج ہے اور پاکستان میں بھی ہم اسی کو لے کر چل رہے ہیں' اور وہی اینگلو سیکشن لاء ہمارا منبع اور سرچشمہ ہے جو بھارت کا ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ پاکستان کس لئے بنایا گیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم دو قومی نظریے کی بنیاد پر عمل میں آئی تھی اور پاکستان مسلم قومیت کی اساس اور اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔ لیکن انگریز سے وارثت میں ملا ہوا نظام اختیار کر کے ہم اپنے مقصد اور نصب العین کو بھول چکے ہیں۔ اور جو چیز اپنا اصل مقصد کھو دے وہ بے کار ہو جاتی ہے' اپنی معنویت کھو دیتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ پاکستان سے انحراف کی وجہ سے پاکستان دو لخت ہو گیا۔ اور اب سندھ کی صورت حال پہلے سے کہیں زیادہ مخدوش نظر آ رہی ہے' کراچی کو ہانگ کانگ بنانے کی باتیں بھی سننے میں آ رہی ہیں۔ یہ باتیں میں اس لئے آپ حضرات کے گوش گزار رہا ہوں کہ ہمارے فیصلے کسی دوسری جگہ ہوتے ہیں اور ایسی طاقتوں کو آلہء کار بھی باآسانی مل جاتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمارے سمجھنے کی اصل بات یہ ہے کہ اگر اب بھی ہم نے اصل مقصد کی جانب پیش رفت نہ کی تو جس طرح عذاب الٰہی کا ایک کوڑا ۱۷ء میں ہم پر برسا تھا' ہو سکتا ہے کہ اسی طرح کا دوسرا کوڑا ۹۱ء میں ہم پر برسے' جس کے واضح آثار موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اب بھی اگر ہم توبہ کر لیں' اپنا طرزِ عمل درست کر لیں' اللہ کی طرف پلٹیں' اور جس مقصد کے لئے یہ ملک قائم کیا گیا تھا اس کے لئے تن من دھن سے جدوجہد کرنے کا عزمِ مصمّم کر لیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری توبہ کو قبول فرما کر حالات کے رخ کو تبدیل کر دے۔

نظامِ خلافت کے خدوخال

نظامِ خلافت کے قیام کے لئے صرف عنوان یا لیبل بدلنے کی نہیں' مکمل انقلاب کی ضرورت ہے جس کے لئے زبردست عوامی تحریک اور انقلابی جدوجہد درکار ہے۔ تاہم نظام

خلافت کے قائم ہو جانے کے بعد اس کے نمایاں خدوخال یہ ہوں گے

۱۔ قرآن و سنت کی مطلق بالادستی

خلافت اصلاً اس شے کا نام ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انسان حاکم نہیں ہے بلکہ اپنے خالق و مالک کا خلیفہ (Viceroy) ہے۔ اگرچہ ہم نے اس اصول کو بحیثیت قوم قرار داد مقاصد کی صورت میں بہت پہلے منظور کر لیا تھا، مگر طویل عرصے تک اس کی حیثیت ملکی دستور کے ایک دیباچے کی تھی۔ ضیاء الحق مرحوم نے قرار داد مقاصد کو دستور کا حصہ بنا کر ایک کارنامہ انجام دیا تھا۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی ان کے اسی کارنامے ہی کا ثمرہ ہے۔ البتہ اس ضمن میں ظلم یہ کیا گیا کہ شرعی عدالت کے ہاتھوں میں دو ہتھکڑیاں اور پاؤں میں دو بیڑیاں پہنا دی گئیں یعنی عدالت نہ تو عائلی قوانین کے بارے میں کوئی بات کر سکتی ہے اور نہ ہی مالی معاملات کو زیر بحث لا سکتی ہے۔ اسی طرح نہ دستور کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کیا جا سکتا ہے اور نہ عدالتی طریقِ کار کے بارے میں کوئی رائے دی جا سکتی ہے۔ گویا عملی زندگی کے سارے گوشے شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر کر دیئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سالہا سال تک بے مقصد اور لایعنی کارروائی تو ہوتی رہی ہے کوئی بنیادی نوعیت کا کام اب تک نہیں ہو سکا ہے۔ بہرحال یہ سمجھ لینا چاہئے کہ انسان کے لئے حاکمیت (Sovereignty) نہیں، بلکہ خلافت (Vicegerency) ہے۔ اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جس کو از خود کوئی اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اسے کسی بالاتر اتھارٹی کی طرف سے اختیارات دیئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کو اگرچہ قرار دادِ مقاصد میں تسلیم کیا جا چکا ہے، لیکن موجودہ حکومت نے حال ہی میں "شریعت ایکٹ" کے نام سے جو بل پاس کیا ہے اس کے حوالے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ ہم نظامِ خلافت کے لئے بالکل آمادہ نہیں ہیں۔ شریعت ایکٹ میں سرکاری سطح پر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ ہم قرآن و سنت کی بالادستی کو تسلیم کریں گے، بشرطیکہ ہمارا نظام متاثر نہ ہو۔ یہ گویا کلمہ کفر ہے جو ہم نے قومی سطح پر ادا کیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مشروط نہیں بلکہ غیر مشروط ہوتی ہے، جزوی نہیں بلکہ کلی ہوتی ہے۔ لہٰذا دستور میں یہ بات طے ہونی چاہئے

کہ کتاب و سنت پورے نظام و قانون پر بغیر کسی استثناء کے مطلقاً بالادست اور سپریم ہوں گے۔ یہ اصول اگر طے کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ اب کسی قانون سازی کی ضرورت بھی ہو گی یا نہیں؟ اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ قانون سازی کی ضرورت تو موجود رہے گی، کیونکہ کتاب و سنت نے اکثر معاملات میں تفصیلی قوانین نہیں دیئے بلکہ حدود قائم کر دی ہیں کہ ان سے کسی حال میں بھی تجاوز نہیں ہو سکتا۔ البتہ مباحات کے دائرے میں آزادی ہے۔ چنانچہ مباحات کے دائرے میں قانون سازی ہماری ناگزیر ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات کی تقسیم کیسے ہو؟ یا بجٹ کیسے بنایا جائے؟ وغیرہ۔ اس طرح کی سب چیزیں مباحات کے دائرے میں آتی ہیں، جن کے لئے قانون سازی کی جائے گی۔ البتہ یہ اصول طے کر دیا جائے گا کہ کوئی قانون چاہے پہلے سے موجود ہو یا کوئی مسودہ قانون ابھی زیر غور ہو، اگر وہ کلی یا جزوی طور پر کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز کر رہا ہو گا تو اسے چیلنج کر دیا جائے گا اور اعلیٰ عدالتیں مذکورہ قانون یا اس کی متعلقہ دفعہ کو کالعدم قرار دے سکیں گی۔ اس صورت میں بھی قانون سازی پارلیمنٹ ہی کا کام ہو گا، نہ کہ عدالت کا۔ پارلیمنٹ کے اراکین چونکہ قرآن و سنت کی بالادستی کے پابند ہوں گے، لہٰذا اوّل تو وہ کوئی ایسا قانون بنائیں گے ہی نہیں جو قرآن و سنت سے تجاوز کر رہا ہو۔ بصورت دیگر وہ عدالت سے کالعدم ہو جائے گا۔

مزید برآں قانون سازی کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسلامی قانون منضبط شکل (Codified form) میں موجود نہیں ہے، جب کہ آج کے دور کی یہ ضرورت ہے کہ قانون codified شکل میں ہو جس کی روشنی میں عدلیہ اپنا فریضہ انجام دے۔ بہرحال نظامِ خلافت کا اصل الاصول یہ ہے کہ کتاب و سنت کی بلا استثناء مطلق بالادستی ہو۔ یہ اگر ہم نہیں کرتے تو پھر خلافت کا کوئی تصور نہیں۔ افسوس کہ ہم قومی سطح پر ایک ایسے نفاذِ شریعت ایکٹ سے آگے نہیں جا سکے جس میں شریعت نظام کے تابع ہے نہ کہ نظامِ شریعت کے تابع ہے۔ اس طرزِ عمل سے ہم شریعت کے حصے بخرے کر کے، بعض کو مان کر اور بعض کو مسترد کر کے، اللہ کی وعید کے مستحق قرار پا چکے ہیں۔

اللہ کی حاکمیت اور قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام کے لئے جو نظام درکار ہے وہ

نظامِ خلافت ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے جمہوریت کی اصطلاح ترک کر کے خلافت کی اصطلاح اپنائی ہے' اگرچہ اس سے پہلے ہم جمہوریت کو بھی مشرف بہ اسلام کر کے "اسلامی جمہوریت" کا نام دیتے رہے ہیں' جس طرح سوشلزم کو مشرف بہ اسلام کر کے "اسلامی سوشلزم" کا نام دیا جاتا رہا ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ ہر اصطلاح کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے تصورات وابستہ ہوتے ہیں جو اس کا جزوِ لاینفک ہوتے ہیں اور کوشش کے باوجود انہیں ذہنوں سے نکالنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ جمہوریت کی اصطلاح کے ساتھ حاکمیتِ عوام (Popular Sovereignty) کا تصور لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بڑے بڑے دانشور اور وکلاء حضرات پارلیمنٹ کی حاکمیت (Sovereignty) کی بات کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال کے فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال بھی بڑے دھڑلے سے یہ کہتے ہیں کہ پارلیمنٹ کی Sovereignty ہونی چاہئے۔ جان لیجئے کہ "Sovereignty" کا لفظ اگر اللہ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال کیا جائے گا تو یہ کفر ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے والدِ محترم ہی یہ فرما گئے ہیں کہ ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی' باقی بتانِ آزری !

اللہ کے سوا حاکمیت کا دعویٰ کرنے والا چاہے فرعون ہو' نمرود ہو یا آج کی پارلیمنٹ ہو "بتانِ آزری" ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" میں ابلیس کے ایک مشیر کے خیالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!

یعنی انسانی حاکمیت کی گندگی جو بادشاہی نظامِ حکومت میں ٹنوں کے حساب سے ایک شخص کے سر پر رکھی ہوتی تھی اب جمہوری نظام میں ہم نے اسے ایک ایک تولہ کر کے عوام میں تقسیم کر دیا ہے اور اس طرح تمام انسانوں کو اس گندگی میں حصے دار بنا دیا ہے۔ تو گندگی اپنی حقیقت کے اعتبار سے گندگی ہی رہے گی' خواہ وہ کسی فردِ واحد کے سر پر ہو یا اسے بہت سے انسانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ انسانی حاکمیت کا تصور نجاست ہے' گندگی ہے' کفر ہے' شرک ہے' فسق ہے! اور جب تک جمہوریت کے لفظ کو ترک نہیں کیا جاتا

اس میں موجود انسانی حاکمیت کے تصور کو نکالنا ممکن ہی نہیں۔ اس مقصد کے لئے ہمیں خلافت کی قرآنی اور نبویؐ اصطلاح استعمال کرنا ہوگی جو ہماری تاریخ کے بہترین دَور دَورِ خلافتِ راشدہ کا عنوان بھی ہے۔ یہی وہ اصطلاح ہے جس سے انسانی حاکمیت کا تصور بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ مخلوط قومیت کی نفی

آج کی دنیا میں جو تصورِ قومیت مقبول ہے وہ وطنی قومیت کے نظریے پر قائم ہے' جس کی نفی کر کے دو قومی نظریے کی بنیاد پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا۔ مگر افسوس کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی ہمارا تصوّرِ قومیت وطنی قومیت کی بنیاد پر ہی قائم رہا۔ بدقسمتی سے بانیٔ پاکستان قائد اعظم مرحوم کی زبان سے بھی کچھ ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو وطنی قومیت کے تصور ہی کی تائید کرتے ہیں۔ قائد اعظم اگر اپنے الفاظ کی وضاحت خود کر دیتے تو بات صاف ہو جاتی' مگر انہیں اس کی مہلت نہ مل سکی۔ قائد اعظم کے ان الفاظ کو کہ "مذہب تو ایک پرائیوٹ معاملہ ہے" جسٹس منیر صاحب نے بھی خوب استعمال کیا کہ ان الفاظ سے مخلوط قومیت کے تصور کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان مخلوط قومیت کی نفی اور دو قومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ مصوّرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے وطنی قومیت کی نفی کرتے ہوئے کہا تھا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے!

چنانچہ یہ اصولی بات سمجھ لینے کی ہے کہ اسلامی ریاست اور خلافت کے نظام میں غیر مسلم برابر کے شہری شمار نہیں ہو سکتے۔ غیر مسلم باشندے تحفظ یافتہ اقلیت شمار ہوں گے جن کی جان' مال اور عزت و آبرو کی مکمل حفاظت کی ذمّہ داری قبول کی جائے گی' انہیں اپنے عقیدے پر قائم رہنے' اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے' اور اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی مکمل آزادی بالکل اسی طرح حاصل ہو گی جس طرح مسلمانوں کے جملہ مکاتبِ

فکر کو حاصل ہو گی۔ لیکن ریاست کا دیوانی اور فوجداری قانون جسے جدید اصطلاح میں "Law of the land" کہا جاتا ہے کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور قانون سازی کے عمل میں غیر مسلموں کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو نہ تو قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتا ہو اور نہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اخری نبی مانتا ہو اسے اسلامی ریاست کی قانون سازی میں کیونکر شریک کیا جا سکتا ہے؟۔

خلافت کے تصور کو اپنانے سے وطنی قومیت کے رائج الوقت تصور کی بھی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ قائم ہونے والی خلافت "خلافتِ عامہ" نہیں ہو گی بلکہ یہ "خلافتُ المسلمین" ہوگی۔ اِس میں ووٹ کا حق بھی صرف مسلمانوں کو حاصل ہو گا اور ہر مسلمان ریاست کا برابر کا شہری ہو گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو بہت بڑے ماہرِ قانون ہیں اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ **المسلمُ کفوٌ لکلِّ مسلمٍ** یعنی ہر مسلمان حقوق کے اعتبار سے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ گویا ہر بالغ مسلمان کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو گا۔ خلیفہ یا صدر صرف مسلمانوں میں سے منتخب ہو گا اور کانگریس یا پارلیمنٹ کے ارکان بھی سب کے سب مسلمانوں پر ہی مشتمل ہوں گے۔ رائے دہندگی میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہوگی البتہ کوئی عورت صدر یا خلیفہ تو کجا اسمبلی کی رکن بھی نہیں بن سکے گی۔

۳۔ خلیفہ کا بلاواسطہ انتخاب

خلیفہ کا انتخاب بلاواسطہ یعنی براہِ راست مسلمان رعایا کے ووٹوں سے ہو گا اور اسے پارلیمنٹ یا کانگریس کی اکثریت کا محتاج نہیں بنایا جائے گا' بلکہ موجودہ دنیا کے معروف صدارتی نظام کے مانند ایک متعین مدت کے لئے وسیع انتظامی اختیارات دیئے جائیں گے۔ ہمارے ہاں جو پارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہے وہ در حقیقت انگریز کی وراثت ہے۔ ہر شخص با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر عہد حاضر کے نظام ہائے حکومت سے موازنہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کا نظام پارلیمانی کی بجائے صدارتی طرزِ حکومت سے قریب تر ہے۔ پارلیمانی نظام حکومت کا تماشا ایک عرصے سے پاکستان میں تو ہم دیکھ ہی رہے تھے اب ہندوستان میں بھی اس کی قباحتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اور اب ہندوستان اور پاکستان دونوں

ممالک ایک جیسی صورت حال سے دو چار ہیں۔ یعنی ہر دو تین سال کے بعد نئے انتخابات منعقد کروانا پڑتے ہیں' کیونکہ کوئی ایک پارٹی مستحکم حکومت بنانے کے قابل نہیں ہوتی۔ وزیر اعظم اسمبلی ممبران کو سنبھالنے ہی میں لگا رہتا ہے جو مینڈکوں کی طرح اِدھر سے اُدھر پُھدک جاتے ہیں اور گھوڑوں کی طرح بِک کر دُوسرے اصطبل میں جا پہنچتے ہیں۔ اس لئے لیڈر آف دی ہاؤس کو ہر وقت ان ہی کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدھے ممبرانِ اسمبلی کو وزیر بنانے کے سوا کوئی بااعتماد طریقہ سامنے نہیں آتا۔ اس ہارس ٹریڈنگ اور چھینا جھپٹی کی سیاست میں اگر حکومت خلوص و اخلاص کے ساتھ کوئی مثبت کام کرنا بھی چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔ اس گندے سیاسی کھیل کو ختم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ خلیفہ کو براہِ راست مسلمان عوام کے ووٹوں سے ایک متعین مدت کے لئے منتخب کیا جائے اور وہ خلیفہ برقرار رہنے کے لئے ارکان پارلیمنٹ کی اکثریت کا محتاج نہ ہو۔

خلیفۃُ المسلمین احتساب سے بالاتر نہ ہو گا' بلکہ ایسا انتظام عمل میں لایا جائے گا کہ اگر خلیفہ کسی غلط راستے پر پڑ جائے تو اسے بھی سیدھا کیا جا سکے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد فرمایا تھا: "جب تک میں سیدھا رہوں تم پر میری اطاعت فرض ہے' لیکن اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کرنا تمہارا فرض ہے۔" چنانچہ اس اصول کی روشنی میں دستور میں خلیفہ کے احتساب و نگرانی کے لئے بھی طریقہ کار وضع کیا جائے گا۔

پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام سے جہاں ہمیں پارلیمانی نظام سے چھٹکارا مل جائے گا' جو کرکٹ کے کھیل کی طرح انگریز کی وراثت ہے' وہیں خلیفہ کے براہِ راست انتخاب سے ہمیں ان جاگیرداروں اور زمینداروں سے بھی نجات مل جائے گی جو پارلیمانی طرزِ انتخاب میں بہت اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔ نظامِ خلافت کے تحت امیدوار کو نئے معیارات سے پرکھا جائے گا اور اس طرح لوگ اپنی قیادت کسی باصلاحیت شخص کو سونپ سکیں گے۔

۴۔ نئی صوبائی تقسیم

صوبوں کی موجودہ تقسیم کو بھی ہم نے پارلیمانی نظامِ سیاست کی طرح مقدس و محترم

سمجھ رکھا ہے۔ درحقیقت موجودہ صوبے انگریز نے اپنی انتظامی مصلحتوں کے تحت تشکیل دیئے تھے اور اس تقسیم کو ہم اب تک جُوں کا تُوں لے کر چل رہے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب انتظامی ضرورت کے تحت نئے ضلعے اور نئی کمشنریاں بن سکتی ہیں تو عوام کی انتظامی سہولت کے لئے نئے صوبے کیوں نہیں بن سکتے؟ ہر سوچنے والا آدمی یہ جانتا ہے کہ ملک میں روز افزوں صوبائی عصبیت کی بنیادی وجہ یہی موجودہ صوبائی یونٹ ہی ہیں۔ پاکستان کے باشندوں کے مابین کشیدگی میں مسلسل اضافہ انہی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے اپنے اقتدار کے آغاز میں بڑے اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا' جن میں صوبوں کی نئی تقسیم بھی شامل تھی۔ مگر وہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں یکسر ناکام رہے اور وہ اس دنیا سے اسی حالت میں رخصت ہو گئے۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں اب تیس چالیس لاکھ کی آبادی پر مشتمل بالٹک ریاستیں آزاد ممالک کے طور پر اقوامِ متحدہ کی رکن بن رہی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ملک کے چھوٹے چھوٹے صوبے بنائے جائیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ حقوق و اختیارات دیے جائیں۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب کا صوبہ مغربی پنجاب سے کہیں چھوٹا تھا' لیکن اس کے باوجود اسے ہریانہ' پنجاب اور ہماچل پردیش کے نام سے تین صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ جب کہ ہم اس پنجاب کو اب تک اسی طرح لئے بیٹھے ہیں' حالانکہ ہمارے یہاں سرائیکی صوبے کی تحریک ایک عرصے سے موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ صوبوں کی تعداد بڑھانے سے سندھ کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ چنانچہ پنجاب سمیت دوسرے صوبوں کی تقسیم ایک ناگزیر امر ہے۔ اس مقصد کے لئے موجودہ کمشنریوں کو بھی صوبوں کا درجہ دیا جا سکتا ہے' اور یہ بھی طے کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے صوبے اس طرح تشکیل دیئے جائیں کہ کسی بھی صوبے کی آبادی ایک کروڑ سے زائد نہ ہو۔ چنانچہ سندھ کو کراچی' جنوبی سندھ اور شمالی سندھ کے نام سے تین صوبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح پنجاب کو کم از کم چھ صوبوں میں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ سرائیکی صوبے کے علاوہ شمالی پنجاب' جنوبی پنجاب' شرقی پنجاب اور غربی پنجاب مستقل صوبوں کی حیثیت اختیار کر جائیں۔ اسی طرح سرحد اور بلوچستان کی بھی نئی صوبائی تقسیم ہونی چاہئے۔ اس طرح لوگوں کو انتظامی معاملات کے حوالے سے دُور دراز کے سفر

کی زحمت سے چھٹکارا بھی مل جائے گا۔

ایئر مارشل اصغر خاں صاحب کی تحریکِ استقلال نے اس سلسلے میں قابل قدر "ہوم ورک" کیا ہوا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہیں سیاسی اعتبار سے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی کہ وہ اپنے نظریات کو عملی جامہ بھی پہنا سکتے۔ اگرچہ اصغر خاں صاحب کے سیکولر نظریات کی بناء پر مجھے ان سے اختلاف ہے، مگر اس کے باوجود انہوں نے ملکی مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی محنت سے جو "ہوم ورک" کیا ہے اسے میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اس سے فائدہ اٹھایا جانا چاہئے۔

(نظامِ خلافت کی مذکورہ بالا چار شقوں کا تعلق سیاسی ڈھانچے سے ہے۔ اس کے علاوہ اقتصادی شعبے کے بارے میں بھی ہمارے سامنے ایک نقشہ کار ہے۔ آج کے دور میں لوگ سیاست کی اونچ نیچ بھی برداشت کر لیتے ہیں، لیکن اقتصادی معاملہ اس سے کئی گنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے انسان کو "معاشی حیوان" قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ نظام خلافت کی اگلی تین شقیں اقتصادی شعبے سے متعلق ہیں۔)

۵۔ سود اور جوئے کا کامل انسداد

سود اور جوئے کے کامل انسداد کے ذریعے معیشت کی تطہیر کی جائے گی۔ یہ دو نجاستیں بھی انگریز نے ہماری معیشت میں داخل کی تھیں جنہیں ہم لکیر کے فقیر بن کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ہم نے بینکاری کا وہی نظام اختیار کر رکھا ہے جو سود جیسی لعنت پر مبنی ہے۔ کوآپریٹو اداروں کے حالیہ سکینڈل نے بنکاری کے اس نظام کی تقدیس کے پردے بھی چاک کر دیئے ہیں، جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ در اصل بینک ہی "بدمعاشی" کا سب سے بڑا اڈا اور لوٹ مار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ بی سی سی آئی کے بحران سے یہ صورت حال منکشف ہو کر سامنے آئی ہے کہ دنیا کا کوئی بینک ایسا نہیں ہے جو رائج الوقت دھندوں میں ملوث نہ ہو۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی تجارتی فرموں نے بھی سرمایہ کاری کے نام سے لوٹ کھسوٹ کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم کی اشاعت جیسے مقدس نام سے سودی کاروبار کرنے والی تاج کمپنی نے جو کارنامہ سرانجام دیا وہ سب کے سامنے ہے، چنانچہ یہ حقیقت اب کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ مختلف ناموں سے

یہ سب سود ہی کی لعنتیں ہیں جو اب تک چلی آ رہی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سودی معیشت کے حوالے سے ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ بر سرِ پیکار ہیں۔ لہٰذا سود کے مکمل خاتمے کے ساتھ ساتھ ہمیں شراکت اور مضاربت کو اپنی اصلی شکل و صورت میں اختیار کرنا ہو گا۔

اس وقت شراکت اور مضاربت کے نام پر اور مارک اپ کی آڑ میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ سود ہی کے نئے نام ہیں۔ مضاربت تو اصل میں یہ ہے کہ کسی کاروبار میں ایک شخص اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے۔ منافع کی صورت میں اسے باہم تقسیم کر لیا جائے' لیکن نقصان کی صورت میں صرف سرمایہ لگانے والا متأثر ہو اور محنت کرنے والے کی محنت اکارت نہ جائے۔ آج کی سود خورانہ ذہنیت میں کوئی سرمایہ دار اس اصول کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گا؟۔ معاف فرمایئے اس وقت ہم میں سے ہر ایک کی سُود خورانہ ذہنیت بن چکی ہے۔ ہم سب یہی سوچتے ہیں کہ سب سے زیادہ سود کہاں ملتا ہے' چاہے اسے نفع کا نام ہی کیوں نہ دیا گیا ہو! آپ کو معلوم ہے کہ کچھ عرصہ پہلے "الائنس موٹرز" نامی کمپنی کے ہاں لاکھوں مذہبی مزاج کے حامل لوگوں نے سرمایہ لگا دیا' کیونکہ یہ کمپنی عام شرح سے زیادہ منافع دے رہی تھی۔ یہ معلوم کرنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی گئی کہ کمپنی کونسا کاروبار کرتی ہے؟۔ اس کمپنی کا دیوالہ ہوا تو ان لاکھوں سرمایہ کاروں کی رقم ڈوب گئی۔ یہ سب چیزیں ہمارے سامنے ہیں۔ لہٰذا سود پر مبنی موجودہ بینکاری نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑنا ہو گا۔ یہ بھی جان لیجئے کہ متبادل نظام موجود نہ ہونے کا بہانہ محض جھوٹ پر مبنی ہے۔ بلکہ اس طرح کے خیالات تو اللہ تعالیٰ پر عدمِ اعتماد کے مترادف ہیں اور اس سے اس کے علم کامل کی نفی ہوتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی شے کو حرام قرار دے دیا جس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اور اسے شاید (معاذ اللہ) یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ بیسویں اور اکیسویں صدی میں سود اس قدر ناگزیر ہو جائے گا کہ اس کے بغیر دنیا کا نظام چلے گا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم و حکیم ہے۔ اس نے اگر سود کو حرام کیا ہے تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کے بغیر دنیا کی گاڑی نہ صرف چل سکتی ہے بلکہ بہت سی لعنتوں اور خباثتوں سے آزاد ہو کر بہت بہتر طریقے سے چل سکتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سود پر پابندی ہو گی تو سرمایہ کہاں جائے گا؟ کوئی شخص فالتو سرمائے کو گھر

میں تو رکھ نہیں سکتا کہ اس پر ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے سے سرمایہ کم ہو گا۔ چنانچہ فالتو سرمائے کو لوگ آپ سے آپ مشارکت میں لگائیں گے اور اس طرح سرمایہ گردش میں رہے گا۔

سود سے کئی درجے بڑھ کر جوئے کا معاملہ ہے۔ کیا جوا بھی معیشت کی بنیاد ہے جس کے انسداد سے یہ عمارت دھڑام سے نیچے آن گرے گی؟ اس جوئے کو تو قرآن "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" سے تعبیر کرتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جوا بھی دھڑلے سے ہو رہا ہے اور لاٹریاں بھی پورے زور و شور کے ساتھ چل رہی ہیں جنہیں ریفل ٹکٹ کا گمراہ کن نام دے دیا گیا ہے۔ کیا اس شیطانی دھندے کو ختم کرنے میں بھی اندیشہ ہے کہ کوئی زلزلہ آ جائے گا؟۔ بے نظیر بھٹو نے "سیف گیمز" کے آخری فنکشن کے موقع پر ایک جملہ کہا تھا کہ میں لاٹری کی آمدنی دیکھ کر اپنے وزیر خزانہ سے یہ کہنے کا سوچ رہی ہوں کہ بجٹ کی منصوبہ بندی چھوڑو، ٹیکسوں کے نظام کو بھی ترک کرو اور سرکاری لاٹری شروع کر دو۔ کیونکہ "سیور ریفل" کی خریداری میں قوم کے جوش و خروش سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس قوم کی اکثریت جواری بن چکی ہے اور جوئے اور لاٹری کی سکیموں سے اس قدر سرمایہ ہاتھ آ سکتا ہے کہ کسی ٹیکس وغیرہ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ بے نظیر کی یہ بات بڑی تلخ تھی، لیکن اس کی تلخی کم ہی لوگوں نے محسوس کی ہو گی۔ اِس وقت نام نہاد اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت میں بھی جوئے اور لاٹری کی سکیمیں اسی طرح چل رہی ہیں اور اخبارات کے علاوہ پاک ٹی وی اس جوئے کی تشہیر کے لئے جس قدر استعمال ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ لہٰذا سود اور جوئے کو ختم کرنا از بس ضروری اور ناگزیر ہے۔

۶۔ نیا بندوبستِ اراضی

جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے مکمل خاتمے کے لئے ایک نیا بندوبستِ اراضی ناگزیر ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے دین کی جو تعلیمات ہیں ان میں سے بعض کو منظرِ عام پر نہیں لایا جاتا اور جاگیرداروں کے مفاد میں انہیں عوام سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ دین کی ایسی ہی بہت سی حقیقتیں دورِ ملوکیت میں چھپا دی گئیں تھیں، جو آج تک

ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ اسی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا۔

جو حرفِ "قل العفو" میں پوشیدہ تھی اب تک
اِس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمو دار!

علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں بھی یہ کہا تھا کہ اسلام پر دورِ ملوکیت میں جو پردے پڑ گئے تھے ان پردوں کو ہٹا کر اسلام کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے لایا جانا چاہئے جو نوعِ انسانی کے لئے سر تا پا رحمت ہے۔ چنانچہ دورِ ملوکیت کے اسلام ہی کو اصل اسلام سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ بنو عباس کے دور میں ملوکیت کے زیرِ سایہ جو جاگیرداری اور زمینداری نظام بنا گیا تھا وہ اسلام کا نظام نہیں ہے۔ اسلام میں جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا سرے سے کوئی تصور نہیں ہے۔

شریعتِ اسلامی کی رو سے زمینیں دو قسم کی ہیں۔ ملکیتی زمینوں کو "عُشری زمین" کہا جاتا ہے، جیسے مدینے کی زمین کہ وہاں کے لوگوں نے اپنی مرضی سے، بغیر جنگ کئے اسلام قبول کر لیا تھا، اسی لئے وہاں لوگوں سے زرعی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔ زمین کی دوسری قسم "خراجی زمین" کی ہے۔ مسلمانوں نے جو علاقہ یا ملک کسی وقت بزورِ شمشیر فتح کیا ہو وہاں کی زمین خراجی ہے، جو مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت یا بیت المال کی ملکیت کہلاتی ہے۔ خراجی زمینوں کے بارے میں طریق کار یہ ہوتا ہے کہ حکومت مختلف لوگوں کو زرعی رقبہ جات کاشت کے لئے دے کہ وہ اس پر کاشت کاری کریں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص بھی نہیں ہوتی۔ زمین کی کاشت کرنے والا کاشت کار حکومت کو براہِ راست خراج ادا کرے اور درمیان میں کوئی زمیندار، کوئی جاگیردار اور کوئی گدی نشین حائل نہ ہو۔ اس اصول کی بنیاد پر ایک نیا بندوبست اراضی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ پاکستان کا اکثر و بیشتر علاقہ مسلم حکمرانوں کا فتح کردہ ہے، اس لئے پاکستان کی اراضی خراجی ہے، عُشری نہیں۔ ہمارے ہاں علماء کے مابین عُشری یا خراجی کے حوالے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ مشہور زمانہ "تفسیرِ مظہری" کے مؤلف قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے "مالابدّ منہ" نامی فقہ کی کتاب میں یہ بات واضح طور پر طے کر دی ہے کہ یہاں عشر کے قواعد اور مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ ہندوستان کی تمام اراضی خراجی ہے۔

میں اس مسئلے کو ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہوں کہ جاگیرداری اور زمینداری کے نظام کو ختم کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی روشنی میں پاکستان کی جُملہ اراضی کو خراجی قرار دے کر نیا بندوبستِ اراضی کیا جائے۔ اس طرح زمین سے خراج کی شکل میں اتنا ریونیو جمع ہو جائے گا کہ ہمیں بہت سے لعنتی ٹیکسوں سے بالکلیہ نجات مل جائے گی۔ ان میں سب سے بڑا لعنتی ٹیکس انکم ٹیکس ہے جس نے ہر کاروباری آدمی کو جھوٹا اور بے ایمان بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ اگر جھوٹ نہ بولے تو کاروبار کی بساط لپیٹ کر گھر کو چلتا بنے۔ یا پھر ٹاؤٹوں اور ایجنٹوں کے ذریعے انکم ٹیکس کے ناخداؤں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کر لے۔ ٹیکسوں کے موجودہ نظام نے پوری قوم کے اخلاق کا دیوالیہ نکال دیا ہے ان سب سے گلوخلاصی صرف اور صرف زمینوں کو خراجی قرار دے کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

یہاں پر یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۴ء تک خلافتِ عثمانیہ کے تحت زمینوں کا یہی نظام رائج تھا۔ خلافتِ عثمانیہ میں شامل تمام زمینیں مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت شمار ہوتی تھیں۔ ہماری طرح ترکانِ عثمانی بھی حنفی فقہ کے ماننے والے تھے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کے اجتہاد ہی کو بنیاد بنا کر تمام اراضی کو خراجی قرار دیا تھا۔ اس خراج کی خطیر رقم سے دفاع سمیت دوسرے انتظامی اور حکومتی مصارف اُس وقت بھی پورے کئے جاتے تھے اور اب بھی پورے ہوں گے۔

۷۔ زکوۃ کی کامل تنفیذ

اس میدان میں بھی ضیاء حکومت نے بہت بری کمائی کی ہے کہ زکوۃ کا ایک مختلف فیہ نظام قائم کر کے اس پر "نظامِ زکوۃ" کا لیبل چسپاں کر دیا گیا' جس سے زکوۃ کے نام کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو جن اموال پر زکوۃ ادا کرنا ہوتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم "اموالِ باطنہ" کی ہے' یعنی وہ مال جو کسی نے زیور یا نقدی وغیرہ کی صورت میں اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس مال کا اصول یہ ہے کہ اس کا مالک اپنی مرضی سے زکوۃ خود ادا کرے گا اور جسے چاہے دے گا۔ اس ضمن میں اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ مال کی دوسری قسم "اموالِ ظاہرہ" کہلاتی ہے' جن میں

مویشی، بھیڑیں، بکریاں، سامان تجارت، کارخانے کا تیار مال اور خام مال جیسے اموال شامل ہیں۔ اسلامی حکومت اموال ظاہرہ کی کل مالیت پر اڑھائی فیصد کی شرح سے جبرا زکوۃ وصول کرے گی۔

زکوۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق یہ ہے کہ زکوۃ ارکان اسلام میں سے ہے جو عین عبادت ہے، جسے صاحب نصاب مسلمان خوش دلی سے ادا کرے گا اور اس کی ادائیگی میں دھوکہ دہی سے گریز کرے گا، جب کہ ٹیکس میں سے وہ چوری بھی کرتا ہے اور اس کے لئے علماء کے فتوے بھی موجود ہیں کہ ظالمانہ ٹیکسوں سے بچنے کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اگر صحیح ٹیکس ادا کریں تو کاروبار کی بساط ہی لپیٹنی پڑتی ہے۔ کل اموال تجارت اور دیگر اموال ظاہرہ سے زکوۃ کی مد میں بہت بڑی رقم جمع ہو جائے گی جس سے کفالت عامہ (social Security) کا پورا نظام تشکیل پائے گا۔ اور ہر شہری کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان جیسی بنیادی ضروریات، اور تعلیم اور علاج کی یکساں سہولتوں کی فراہمی کی ضمانت دی جا سکے گی۔ یہ اصول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعارف کرایا تھا کہ نظام خلافت ہر شہری کی بنیادی انسانی ضروریات پورا کرنے کا پابند ہے۔ اس حوالے سے یہ بھی جان لیجئے کہ ہمارے یہاں ایک دور میں جو "روٹی کپڑا اور مکان" کا نعرہ لگایا گیا وہ کوئی کافرانہ نعرہ نہیں تھا، بلکہ یہ خالص اسلامی نعرہ ہے۔ کوئی حکومت اگر شہریوں کی بنیادی ضروریات کی ضمانت فراہم نہیں کر سکتی تو اسے حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرگیا تو اس کی جوابدہی عمر کو کرنا ہو گی۔ نظام خلافت کے تحت جو اسلامی فلاحی ریاست قائم ہوتی ہے اس میں کفالت عامہ کا یہ نظام لازمی طور پر سامنے آتا ہے۔

اسلام نے ایک طرف وسائل سے محروم افراد کی دستگیری کا نظام قائم کیا ہے تو دوسری طرف یہ بھی کہا ہے کہ زکوۃ تو لوگوں کا میل کچیل ہے، جبکہ محنت کی کمائی بہت عظمت کی بات ہے۔ حضورؐ نے یہاں تک فرمایا کہ : "الكَاسِبُ حَبِيبُ اللّٰه" یعنی محنت کش تو اللہ کا دوست ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ وہ بھی آیا جب لوگ اموال باطنہ کی زکوۃ ہاتھوں میں لئے لئے پھرتے تھے مگر زکوۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔ زکوۃ کا

اصل نظام نافذ ہو جائے تو آج بھی یہی نتائج اور ثمرات ظاہر ہوں گے۔ زکوٰۃ کی رقم ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو کسی وجہ سے اپنی بنیادی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات واضح طور پر "تُؤْخَذُ مِنْ اغنیاءھم فتردُّ اِلٰی فقراءِھم" جیسے حد درجہ بلیغ اور جامع الفاظ میں ارشاد فرمائی۔ یعنی مال امیروں سے لیا جائے گا اور غریبوں کو لوٹایا جائے گا۔

۸۔ مکمل قانونی مساوات

خلیفۃ المسلمین اور مجلسِ ملّی یا مجلسِ شوریٰ کے ارکان سمیت کسی کو بھی نہ قانونی تحفظات حاصل ہوں گے، نہ ترجیحی حقوق (Priviliges) دیئے جائیں گے اور ہر سطح پر ایک کامل قانونی مساوات کا نظام ہو گا۔ جمہوریت کا سب سے زیادہ ڈھنڈورا پیٹنے والے سب سے بڑے جمہوری ملک امریکہ میں بھی صدر کو خصوصی تحفظ حاصل ہے کہ اسے عدالت طلب نہیں کر سکتی۔ گویا کہ وہ عام انسان نہیں بلکہ شئے دگر ہے۔ اسی طرح عدلیہ کے ججوں کو "مائی لارڈ" جیسے القاب سے مخاطب کرنا اور توہین عدالت جیسا قانون، یہ سب کچھ انگریز کی وراثت ہے، جسے ہم نے سینے سے لگا رکھا ہے۔ چنانچہ نظام خلافت میں عدلیہ کے نظام کے بارے میں بھی اصلاحات کی جائیں گی اور خلیفہ بھی عام شہری کی طرح قانون کا پابند ہو گا۔ البتہ اس میں یہ اندیشہ موجود ہے کہ کوئی شخص خلیفہ کو مقدمات میں پھنسا کر ہر وقت عدالتوں کے چکر لگوانے کی ٹھان لے اور اسے کام کرنے کا موقع ہی نہ دے۔ تو اس صورت حال کا سدِّباب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ جھوٹے الزامات لگانے والوں اور غلط مقدمات دائر کرنے والوں کے لئے حدِ قذف پر قیاس کرتے ہوئے سخت تعزیری قوانین بنائے جائیں، تاکہ کوئی شخص خلیفہ کو خواہ مخواہ تنگ نہ کر سکے۔

۹۔ منشیات کا خاتمہ

شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کے مکمل استیصال کے لئے سخت سے سخت تعزیراتی قوانین بنائے جائیں گے۔ ایرانی انقلاب کے بعد بننے والی حکومت نے یہ

سب کچھ عملاً کر کے دنیا کو دکھا دیا۔ اگرچہ وہ معیشت کے میدان میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لا سکے، زمینداری بھی قائم رہی، تجارت کا نظام بھی ویسا کا ویسا رہا، لیکن انہوں نے شراب اور منشیات کے کلی استیصال کے ذریعے معاشرے کی تطہیر کا کام کر دکھایا۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام مسلم ممالک میں سے کسی ملک نے اگر یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے تو وہ مکمل شیعہ اکثریت والا ملک ایران ہی ہے، جب کہ دنیا کے سُنّی مسلمان "سُن" ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایرانی حکومت کے معاشرتی تطہیر کے ان اقدامات کو میں واقعۃً خراجِ تحسین ادا کرتا ہوں۔

۱۰۔ مخلوط معاشرت کا سدِّباب

ستر و حجاب کی اہمیت اور مخلوط معاشرت کی مذمت کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا ہے وہ اتنا عام ہے کہ سب جانتے ہیں ۔ اس کی وجہ سے بیگمات کی طرف سے میری جس قدر مخالفت ہوئی، جیسا کچھ استہزاء ہوا، مغرب زدہ طبقے نے جو تنقیدیں کیں اور " The hated Person in the eyes of educated women of Pakistan " جیسے الفاظ پر مشتمل جو قصیدے میری شان میں اخبارات میں شائع ہوئے ان سے کون ناواقف ہے؟ اس سلسلے میں میرا موقف بالکل واضح ہے کہ جس طرح مخلوط قومیت اسلام کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی، ویسے ہی مخلوط معاشرت بھی اسلام کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے جسمانی نظام اور نفسیاتی ساخت کے اختلاف کے علاوہ ان کی ذمہ داریاں اور ان کے دائرہ کار بھی الگ الگ مقرر کئے ہیں۔ عورت پر معاشی ذمہ داریاں نہیں ڈالی گئیں بلکہ اس کی ذمہ داریاں اس کے شوہر اور بچوں سے متعلق ہیں، البتہ اگر قومی ضرورت کا تقاضا ہو کہ عورتیں بھی معاشی میدان میں ہاتھ بٹائیں تو اس مقصد کے لئے عورتوں کے علیحدہ ادارے بنائے جا سکتے ہیں، جہاں اوپر سے نیچے ہر سطح پر خواتین ہی کام کریں اور ان کے کام کے اوقات بھی چار گھنٹے مقرر ہوں تاکہ وہ گھریلو فرائض بھی ادا کر سکیں۔

تعلیم اور صحت کے میدان میں مردوں اور خواتین کے مکمل طور پر الگ الگ شعبے ہوں۔ خواتین کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹرز اور نرسیں ہوں، جبکہ مردوں کے

ہسپتالوں میں مرد ڈاکٹر اور مرد نرسیں ہوں۔ اسی طرح جب مرد و خواتین کے سکول اور کالج علیحدہ ہیں تو خواتین کی علیحدہ یونیورسٹی کیوں نہیں بنائی جاتی؟ دراصل اس کے پس منظر میں بھی مغرب زدہ ذہنیت کارفرما ہے۔ ایک بہت بڑے حکومتی عہدے دار نے تو یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ اگر یونیورسٹی میں لڑکیاں نہ ہوں تو

"It would be a garden without butterflies"

یعنی یہ ایک ایسا باغ ہوگا جس میں تتلیاں ہی نہ ہوں۔ جب اس قسم کے تصورات ہوں گے تو معاشرہ کیسے پاک ہو سکے گا؟۔ ایک اور مثال اسی شہرلاہور کے تاریخ کے ایک پروفیسر کی ہے جنہوں نے ساری عمر شادی نہیں کی اور اسی حالت میں فوت ہوگئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں شادی کس لئے کروں؟ اور انگریزی کا ایک جملہ بولا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب مجھے تازہ دودھ ہر روز بازار سے ملتا ہو تو میں اپنے دروازے پر ایک بھینس کیوں باندھوں؟" حقیقت میں یہ تازہ دودھ نہیں بلکہ تازہ نجاست ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک اور اطاعت شعار بیوی کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ اس نعمت کی لذت اور قدر و قیمت کو یہ شکاری درندے کیا جانیں؟ ایسے لوگوں نے تو شوق آوارگی کو اپنے مزاج کا حصہ بنا لیا ہے' جو مغرب سے درآمد شدہ غلاظت کی ایک نمایاں علامت ہے۔

مزید برآں عصمت و عفت کی حفاظت اور قلب و نظر کی پاکیزگی کے لئے ستر و حجاب کے شرعی احکام کی سختی سے تنفیذ کی جائے گی' جو معاشرے کی تطہیر کے لئے بہت ضروری ہے۔ جب ستر و حجاب کے احکام کا ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) پر بھی اطلاق ہوتا تھا تو اور کون ہے جو ان سے زیادہ پاک باز اور عصمت مآب ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ اسی طرح کیا آج کے مسلمان مردوں کی نگاہیں اور دل صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے زیادہ پاک و صاف ہیں؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! بہرحال نظام خلافت میں مخلوط معاشرت کا خاتمہ کرکے خواتین کے لئے جداگانہ اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے گا' جس سے اسلامی معاشرت وجود میں آئے گی۔

یہ ہے نظام خلافت کا دس نکاتی منشور جو ایک اسلامی فلاحی ریاست کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید ہم بھی الیکشن کی سیاست میں حصہ

لینے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہم تو اس بات کا پختہ یقین رکھتے ہیں کہ الیکشن کے ذریعے کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ آپ خود دیکھ لیں کہ الیکشن کے ذریعے سے اب تک کیا تبدیلی آئی ہے؟ یہی ناکہ پہلے جاگیردارانہ نظام رائج تھا جس پر اب سرمایہ دارانہ نظام کا مزید اضافہ ہوگیا ہے! ہمارے پیش نظر خلافت کا جو نظام ہے وہ انتخابات کے ذریعے بروئے کار نہیں آسکتا' بلکہ انقلابی جدوجہد کے ذریعے ایک انقلاب کے نتیجہ میں ہی آسکتا ہے۔ اس کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے کچھ لوگ اپنے اوپر خلافت کا نظام قائم کریں' اپنے گھروں میں خلیفہ اللہ بنیں' اور اپنے دائرہ ہائے اختیار میں نظام خلافت کے ان اصولوں پر عمل کریں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر شخص راعی اور نگہبان ہے۔ آنحضور ؐ نے فرمایا: "**کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ**" پھر ایسے لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد مل کر ایک جماعت اور ایک طاقت بن کر "حزب اللہ" کی شکل اختیار کریں۔ اس جماعت کا نظام سمع و طاعت کے اصولوں پر استوار ہو' جس کے لئے مسنون نظام "نظام بیعت" ہے۔ یہ جماعت پھر نظام باطل کو چیلنج کرے گی' نظام باطل کے کارندوں کا گھیراؤ کیا جائے گا' دھرنا بازی اور پکٹنگ (Picketing) ہوگی کہ ہم ان باطل اداروں کو کام کرنے نہیں دیں گے! ہم جیتے جی یہ منکرات و فواحش نہیں ہونے دیں گے! لیکن اس مرحلے تک پہنچنے کے لئے ایسی افرادی قوت کی ضرورت ہے جو ایک نظم میں وابستہ ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے!

اپنے اوپر اسلام کو نافذ کرکے اللہ کے پورے پورے بندے بن جانے والے لوگ نظام خلافت کو قائم کرنے کی غرض سے گولیاں کھانے کے لئے سینہ سپر ہو جائیں گے تو خلافت کا حقیقی نظام قائم ہو کر رہے گا۔ محض نعرہ بازی اور نمائشی اسلام سے لوگ بدظن ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک میں بزعم خویش بلا سود بنکاری بھی رائج ہوگئی' نظام زکوٰۃ بھی نافذ ہوگیا اور شریعت بل بھی منظور ہوگیا' مگر معاشرے میں اسلامی نظام کی برکات ڈھونڈے سے نہیں ملتیں۔ غربت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوگیا ہے اور سرمایہ

داری روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ استحصال پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو سود کو کسی بھی درجے میں ختم کیا گیا ہے اور نہ ہی نظام زکوٰۃ نافذ کیا گیا ہے۔ اس طرح کے جو اقدامات بھی کئے گئے ہیں وہ محض دکھاوا' دھوکہ اور فراڈ ہے۔ موجودہ نظام باطل کو بیخ و بن سے اکھاڑنے اور حقیقی نظام خلافت کے قیام کے لئے ایک طاقت درکار ہے جس کو جمع کرنے کے لئے تنظیم اسلامی نے "تحریک خلافت" کا آغاز کیا ہے اور اسی سلسلے میں خلافت کا دس نکاتی منشور پیش کیا جا رہا ہے تاکہ عوام کو اسلام کے حقیقی نفاذ کے ثمرات سے آگاہ کیا جائے' اس مسئلے پر رائے عامہ ہموار ہو اور یہ بات عوامی مطالبے کی صورت میں سامنے آئے۔ میرے اندازے کے مطابق اگر اسلام پر کاربند' قربانی کے جذبے سے سرشار اور سمع وطاعت کے پابند دو لاکھ افراد ایک نظم میں آجائیں تو خلافت کی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز! دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو نظامِ خلافت کے قیام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں لگانے کی توفیق عطا فرمائے!!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام آئندہ جلسۂ تحریکِ خلافت

ان شاء اللہ العزیز

جمعہ ۲۲ر نومبر' صبح ۹ بجے تا ڈیڑھ بجے دوپہر

پارک کمیٹی چوک' راولپنڈی میں ہوگا' جس میں مرکزی خطاب

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ہوگا۔

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے!

دوسری قسط

دعوتِ بندگیٔ ربّ

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق و ربوبیت

آیۂ مبارکہ "یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ......" میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان ہوئی ہیں ـــــ ایک اس کا ربّ ہونا اور دوسرے اس کا خالق ہونا۔ در حقیقت یہ دو صفات ہی دعوتِ عبادتِ ربّ کی دلیلیں ہیں۔ یعنی وہی تمہارا خالق ' تمہیں وجود بخشنے والا ہے اور وہی تمہارا پروردگار اور پالنہار بھی ہے' لہٰذا صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کی بندگی کی جائے۔ انسان نہ تو آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے اور نہ ہی وہ خود اپنا خالق ہے۔ سورۃ الطور میں فرمایا گیا:

" اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○" (کیا یہ یوں ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟) معلوم ہوا کہ ہم نے خود اپنے آپ کو تو پیدا نہیں کیا' بلکہ ہم مخلوق ہیں۔ پس جو خالق ہے اسی کو حق پہنچتا ہے کہ مخلوق پر اس کی مرضی چلے۔ یہی وہ بات ہے جو سورۃ الاعراف میں بایں الفاظ فرمائی گئی: "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ " (خبردار ہو جاؤ ' وہی خالق ہے اور اسی کی حکومت و فرماں روائی ہے۔) ظاہر ہے کہ عقلِ سلیم اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے اسی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی بات مانی جائے' اس کا حکم مانا جائے' اس کی اطاعت کی جائے اور اسی کی مرضی چلے ۔ آدمی خود اپنا خالق نہیں۔ یہاں تک کہ اس کے آباء و اجداد بھی اس کے خالق نہیں ' وہ بھی مخلوق تھے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ بلا سوچے سمجھے آباء و اجداد کے طریقے کی پیروی کی جائے اور وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (ہم نے

اسی طریقہ پر اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے) کو دلیل بنا کر آباء پرستی شروع کر دی جائے' اس ہستی کی بندگی اور پرستش کرنی چاہئے جو خالق ہے۔ اس لئے آیت مبارکہ میں آگے اضافہ فرما دیا کہ : وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی جو تم سے پہلے تھے ان سب کا خالق بھی وہی اللہ ہے جو تمہارا خالق ہے۔ ان کے طور طریقے اگر خدا کے حکم کے مطابق ہوں تب تو ان کا اتباع کیا جائے گا' لیکن اگر ان کی روش اس کے برعکس ہو تو ان کو کوئی استناد حاصل نہیں۔ ان کا یہ حق ہرگز نہیں کہ ان کا اتباع کیا جائے۔ اس لئے کہ خالق سب کا اللہ ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ صرف تمہارا خالق ہی نہیں' بلکہ وہ تمہارا "ربّ" بھی ہے۔ وہ تمہاری تمام ضروریات پوری کر رہا ہے۔ تمہیں درجہ بدرجہ ترقی دیتے ہوئے اور ہر درجہ کی تمام ضروریات کا اہتمام کرتے ہوئے تمہیں تمہارے مقامِ کمال کی طرف لے جا رہا ہے۔ ماں کے دل میں مامتا' باپ کے دل میں شفقت اور عزیزوں کے دل میں محبت اسی کی پیدا کردہ ہے۔ موسموں کا تغیّر و تبدّل' بارش کا یہ نظام' زمین میں روئیدگی اور نشوونما کی قوت اور اس پر تمہارے لئے نفع رساں چوپایوں کا وجود' یہ نظامِ شمسی اور اس میں موجود جذبِ باہمی' غرضیکہ یہ پورا نظام اسی کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔ پس وہی تمہارا خالق ہے اور وہی تمہارا ربّ ہے۔

حکمتِ قرآنی کا ایک رمز

یہاں ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ قرآن مجید بالعموم ایسے مقامات پر ربوبیت کو خلق پر مقدّم کرتا ہے' حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے خلق ربوبیت پر مقدّم ہے۔ پہلے پیدا کرنا اور وجود بخشنا ہے' پھر اس کی ربوبیت و تربیت ہے۔ یہ دور اور مرحلہ خلق کے بعد شروع ہوتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم کا عام اسلوب یہی ہے کہ وہ ربوبیت کو خلق پر مقدّم کرتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں بھی ربوبیت کو تخلیق پر مقدّم کرتے ہوئے فرمایا گیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ "(اے نبیؐ!) پڑھیئے اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔" اسی طرح یہاں بھی ربّ کے تصور کو مقدم کیا گیا اور تخلیق کے تصور کو مؤخر کیا گیا اور فرمایا کہ: "اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس ربّ کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان سب کو

پیدا کیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔" اس نکتے کو اچھی طرح سمجھیے کہ ربوبیت کو تخلیق پر کیوں مقدم کیا گیا۔ انسان کے ذہن کا بچپن سے جو ارتقاء ہوتا ہے اگر ہم اس کا جائزہ لیں اور اس کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا ذہن سب سے پہلے جس چیز کا اثر قبول کرتا ہے اور اس میں جو شعور و احساس سب سے پہلے اجاگر ہوتا ہے وہ ربوبیت ہی کا اثر اور احساس ہے۔ ایک چھوٹے سے بچے کے ذہن کی کائنات بڑی ہی محدود ہوتی ہے، لیکن اپنے والدین کے بارے میں یہ تأثر (Impression) بہرحال اس کے ذہن میں موجود ہوتا ہے کہ میری ہر ضرورت یہی فراہم کرتے ہیں۔ مجھے بھوک لگتی ہے تو غذا اور خوراک کا اہتمام کرتے ہیں، مجھے اگر کہیں سے کوئی خطرہ اور خوف لاحق ہو جائے تو میں لپک کر ان کی گود میں پناہ لے لیتا ہوں، لہٰذا یہ میرے محافظ بھی ہیں۔ گویا کہ ربوبیت کے تصور کے ساتھ جتنی چیزیں بھی وابستہ ہیں، ان کا تأثر اس کے ذہن کی محدود کائنات میں موجود رہتا ہے اور والدین کے لئے ایک جذبۂ تشکر اس کے دل میں ابھرتا رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے سورہ بنی اسرائیل میں والدین کے لئے یہی لفظ ربوبیت استعمال کیا ہے۔ آیت ۲۴ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے ہوئے ان کے لئے یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ: **رَبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا** "اے میرے پروردگار ان دونوں (والد اور والدہ) پر رحمت فرمایئے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔" یہ ربوبیت کا تصور ہے جو انسان کے ذہن میں سب سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔

آگے چل کر صرف یہ فرق واقع ہوتا ہے کہ جوں جوں اس کا افقِ ذہنی وسیع ہوتا ہے اور اس کی فکر کا دائرہ پھیلتا ہے وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ والدین کے علاوہ مجھے اپنے بہن بھائیوں، اعزّہ و اقرباء اور برادری کی حمایت اور تحفظ بھی حاصل ہے۔ جب وہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے تو اس میں یہ شعور اجاگر ہوتا ہے کہ معاملہ صرف رشتہ داروں اور برادری تک محدود نہیں ہے بلکہ مجھے ایک پورے نظام کی پشت پناہی حاصل ہے، میری قوم اور میرا ملک میری پشت پر ہے۔ جب اس کا ذہن مزید ترقی کرتا ہے تو اس سے آگے جاکر انسان کے مادی علم کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اس کی ربوبیت اور اس کی ضروریات کی فراہمی کا تو ایک بڑا ہی وسیع و عریض نظام

ہے۔ اس میں سورج کا بھی دخل ہے، اور ہواؤں کے چلنے، بارش کے برسنے، اور موسموں کے تغیرو تبدّل کو بھی ایک فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ کائنات کا یہ پورا نظام اور اس کی ہر ہر چیز اس کی ربوبیت اور اس کی ضروریات کی کفالت کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ گندم کا ایک دانہ جو زمین سے اُگتا ہے تو اس کو اگانے میں نہ معلوم قدرت کی کتنی قوتیں بروئے کار آتی ہیں۔ یہ انسان کے مادی علم کا نقطۂ عروج (Climax) ہے۔

اس کے بعد انسان اگر ایک چھلانگ اور لگا لے تو یہ حقیقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ سارا سلسلہ اسباب ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے، یہ سارا نظام جو نگاہوں کے سامنے ہے ایک ایسی ہستی کے دستِ قدرت میں ہے جو نظر نہیں آ رہی۔ وہ ہمارے حواس اور ہماری قوتِ واہمہ سے بھی ماوراء ہے۔ لیکن وہ ہستی موجود ہے جو اس کائنات کی خالق بھی ہے، موجد بھی ہے، مدبّر بھی ہے اور ربّ بھی ہے۔ اس کائنات کا سارا نظام اسی کے قانون میں جکڑا ہوا ہے اور اسی کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔ "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" کے مطابق عالمِ امر میں بھی اسی کا قولِ کُن کارفرما ہے اور عالمِ خلق بھی اسی کی تدبیر کا مرہونِ منت ہے۔ جب یہ حقیقت واضح ہوگئی تو معلوم ہوا کہ اب انسان کو ربوبیت کی معرفتِ تامہ حاصل ہوگئی۔ اب اس نے جان لیا کہ میرا ربّ، میرا پالنے والا، میرا روزی رساں، میری ضروریات کا کفیل اللہ ہے جو میرا خالق بھی ہے۔ قرآن حکیم میں ربوبیت کو خلق پر مقدّم کرنے میں یہی رمز پوشیدہ ہے کہ انسان کو ربوبیت کا تصور پہلے حاصل ہوتا ہے۔

ربوبیتِ خداوندی کے دو مظاہر

عام طور پر جب ہم ربّ کی شرح کرتے ہیں تو بس ربوبیتِ جسمانی پر آکر ٹھہر جاتے ہیں، حالانکہ ربوبیت صرف جسم و جان کی ضروریات کی فراہمی تک محدود نہیں۔ بلکہ ربوبیت یہ ہے کہ ہمارا رب جس طرح ہمارے جسم و جان کی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کر رہا ہے، اسی طرح وہ روح و عقل کی رہنمائی کا بھی بندوبست کر رہا ہے۔ جس طرح وہ ہمارے وجودِ خاکی کے داعیات اور تقاضوں کے لئے اسباب و سامان فراہم کرتا ہے اسی طرح وہ ہمارے ملکوتی وجود یعنی روح کی بالیدگی اور رہنمائی کے لئے بھی

انتظام کرتا ہے۔ "رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ" کے الفاظ اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ میرا وہ رب جس پر میری ربوبیت موقوف ہے وہی مجھے ہدایت دینے والا ہے، وہی راستہ دکھانے اور کھولنے والا ہے۔ تو انسان جب یہ معرفت حاصل کر لیتا ہے کہ جس کی بارگاہ سے میری تمام مادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں میری عقل کی رہنمائی کا اہتمام اور میری روح کی تشنگی کی سیرابی کا انتظام و التزام بھی اسی کی طرف سے ہوگا تو اسے قرآن مجید "حکمت" سے تعبیر کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ لقمان میں فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ "اور بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ شکر کر اللہ کا!"۔ یعنی انہیں دانائی، سمجھ، عقل کی پختگی اور شعور کی گہرائی عطا کی گئی تھی جس کا نتیجہ شکرِ الٰہی ہے۔ چنانچہ عقل کی معرفت حاصل ہوتے ہی سارا جذبۂ شکر اللہ کی ذات کی طرف مرتکز ہو جائے گا۔ اسی حقیقت کا اظہار قرآن مجید کی پہلی آیت میں ہے کہ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کہ ساری تعریف، حمد و ثنا اور شکر و سپاس کا سزاوار اور مستحق صرف وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

ربوبیت و تخلیق کی معرفت کا لازمی تقاضا

پس "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ" کے الفاظ میں دعوتِ عبادتِ رب کے لئے یہ دلیل پنہاں ہے کہ تمہارا رب جس نے تمہاری جسمانی ربوبیت کے لئے کائنات کا یہ نظام بنایا اور تمہاری روح اور عقل کی رہنمائی کے لئے ارسالِ وحی، بعثتِ انبیاء و رسل اور انزالِ کتب کا سلسلہ قائم کیا اور جو تمہارا خالق بھی ہے وہی تمہاری بندگی اور پرستش کے لائق ہے، وہی تمہاری اطاعت اور محبت کا حق دار ہے۔ جب تم نے اپنے ربّ کو جان لیا اور تمہیں یہ معرفت حاصل ہوگئی کہ جو تمہارا خالق ہے وہی تمہارا رب اور مالک بھی ہے اور تم پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ یہ نظامِ کائنات از خود چند لگے بندھے قوانین کے تحت نہیں چل رہا، بلکہ اس میں ہر آن اور ہر لحظہ اس کا حکم اور اس کا امر جاری و ساری ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ تم خود کو اپنے ربّ کے سامنے بچھا دو، اس کے آگے جھک جاؤ اور خود کو پست کر دو، اس کے سامنے تذلّل و خضوع اور عاجزی و انکساری اختیار کرو، کمالِ

محبت، کمالِ شوق اور کمالِ رغبت کے ساتھ اس کے جملہ احکام کی اطاعت کرو، اس کے تمام قوانین کی پابندی کرو اور اپنی زندگی پوری کی پوری اس کی اطاعت کے سانچے میں ڈھال دو۔ یہ اس دعوت کا لازمی تقاضا ہے۔

"لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" کی تشریح

آیت کا آخری ٹکڑا (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) عبادتِ ربّ کے انجام و مآل اور اس کے ثمرہ و نتیجہ کو بیان کر رہا ہے کہ اے بنی نوع انسان! تمہیں عبادتِ ربّ کی دعوت اس لئے دی جا رہی ہے "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" تاکہ تم بچ جاؤ، تاکہ تم تقویٰ کی روش پر گامزن ہو سکو! تقویٰ کا اصل مفہوم ہے "بچ جانا" یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنا اور نتیجۃً اس کی ناراضگی اور سزا سے بچ جانا۔ اسی مفہوم سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اللہ کی اطاعت میں انسان خوب مبالغہ کرے، آگے بڑھے، تفاصیل میں جاکر اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے، اللہ کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہو اور انہیں اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے۔ یہ بھی تقویٰ ہے، لیکن تقویٰ کا اصل بنیادی مفہوم "بچ جانا" ہے۔ عربی لغت میں تقویٰ اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کسی خاردار جنگل میں سے گزرتے ہوئے جس طرح جھاڑ جھنکار اور کانٹوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے کہ مبادا کسی کانٹے میں نہ الجھ جائیں۔ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے انسان سے یہی طرزِ عمل مطلوب ہے۔ یہاں جو فرمایا گیا " لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ " تو وہ اصل میں لغت کے اعتبار سے ہے "تاکہ تم بچ جاؤ"۔ یعنی عبادتِ ربّ کی دعوت قبول کرکے ہلاکت و بربادی اور دنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے بچو گے۔ اور اگر عبادت رب کو اپنی زندگی میں اختیار نہ کیا، اپنی عقل کے پیچھے لگ گئے، اپنے مذمومہ خیالات و نظریات کا ساتھ دیا، اپنی باگ ڈور اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دی، یا زمانہ کے چلن کے مطابق چلنا شروع کر دیا تو دھکے کھاؤ گے۔ کبھی ایک انتہا تک جاؤ گے اور پھر وہاں سے دھکا لگے گا تو دوسری انتہا تک جاؤ گے، اور اس طرح گیند کی طرح اِدھر اُدھر لڑھکتے رہو گے۔

حقیقت یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ انسان

دراصل افراط و تفریط کے مابین دھکّے کھا رہا ہے۔ انسان نے جاگیردانہ نظام سے بچ نکلنے کی کوشش میں اپنے لئے جمہوریت کا نظام تجویز کیا' لیکن جمہوریت کا دور شروع ہوا تو اس میں وہ خباثتیں موجود تھیں جنھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی کریہہ صورت اختیار کرلی اور یہ نظام Capitalism کی انتہا کو پہنچا۔ اس انتہا تک پہنچ کر انسان نے سوچا کہ وہ ایک تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہو گیا ہے تو پھر واپس لوٹا' لیکن اس رجعت کے نتیجے میں دوسری انتہا تک جا پہنچا۔ اب اس نے اپنی عقل سے یہ نظام تجویز کیا کہ انفرادی ملکیت کو ختم کر کے تمام ذرائع و وسائل کو بالکلیہ ایک مرکزی نظام کے تحت لے آنا چاہئے۔ اس طرح انسان کی انفرادیت اور اس کی آزادی سلب ہو گئی اور انسانیت ختم ہو کر رہ گئی۔ اب سب کے سب انسان حیوانی سطح پر آ گئے اور پورا ملک ایک جیل خانہ بن گیا۔ یہ سب کیا ہے ؟ یہ در حقیقت انسان کا دھکے کھانا ہے۔ پس اگر انسان عبادتِ ربّ کی روش اختیار نہیں کرے گا اور خدا کی اطاعت اختیار کر کے اس کی مرضی کے مطابق نظام قائم نہیں کرے گا تو اسی طرح دھکے کھاتا رہے گا۔ ایک طرف جانے کے بعد پھر وہاں سے گھبرا کر واپس لوٹے گا لیکن پھر بھی اس کا قدم سواء السبیل پرنہیں ٹکے گا اور وہ ایک دوسری انتہا تک جا پہنچے گا۔ وہاں پہنچ کر کوئی اور ردِّ عمل پیدا ہوگا تو کہیں تیسری طرف جا نکلے گا۔ افراط و تفریط کے ان دھکوں سے بچ نکلنے کی واحد صورت یہی ہے کہ کہ عبادتِ ربّ کی اس دعوت پر لبیک کہا جائے اور اللہ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔ دنیا میں یہ وہ صراطِ مستقیم ' سواء السبیل اور قصد السبیل ہے جسے درمیانی راستہ کہا گیا ہے ۔ یہ متوسط شاہراہ ایک ایسا عادلانہ نظام رکھتی ہے جو ہر اعتبار سے متوازن ہے' جس میں زندگی کے تمام تقاضوں کو اعتدال کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی بندگی کا راستہ ہے اور اس کی اطاعت کا نظام ہے۔ اسے اختیار کرکے نوعِ انسانی دنیا میں افراط و تفریط کے دھکوں سے اور آخرت میں اللہ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچ سکتی ہے۔ تو یہ ہے تقویٰ کا اصل مفہوم!

غور کا مقام

یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ قرآن کی اصل دعوت عبادتِ ربّ ہے اور اس کی

مخاطب کوئی ایک قوم' کوئی ایک گروہ یا کوئی ایک طبقہ نہیں' بلکہ علی الاطلاق پوری نوعِ انسانی ہے' ہمارے لئے غور کا اصل مقام یہ ہے کہ اس وقت اس دعوت کی امین امتِ مسلمہ ہے' جو بد قسمتی سے آج خود اس حال کو پہنچ گئی ہے کہ وہ خود اس بات کی محتاج ہے کہ اس تک یہ دعوت پہنچائی جائے۔ نوع انسانی تک قرآن کی یہ دعوت پہنچانا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے' لیکن بجائے اس کے کہ ہم اس دعوت کو لے کر اٹھتے اور اپنے قول و عمل سے اسے نوع انسانی کے سامنے پیش کرتے ہم پستی کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ سب سے پہلے ہم خود محتاج ہیں کہ ہم کو یہ دعوت پہنچائی جائے۔ چنانچہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے ہم خود اس دعوت پر لبیک کہیں' اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو استوار کریں' اور پھر دنیا کے سامنے اس دعوت کے داعی بن کر کھڑے ہو جائیں۔

فرض عبادات کا بندگیٔ رب سے تعلّق

عبادت کے اس وسیع اور جامع مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب یہ جان لیجئے کہ فرض عبادات یعنی ارکانِ اسلام کا اس سے تعلق کیا ہے۔ میں اشارۃً عرض کر چکا ہوں کہ یہ عبادات اس عظیم عبادت یعنی خدا کے سامنے بچھ جانے کے لئے انسان کو تیار کرتی ہیں اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے میں ممدّ و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان عبادات کا در اصل بڑا ہی حکیمانہ نظام ہے۔ ان سے انسان میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ صلاحیت و اہلیت اجاگر ہوتی ہے جس سے وہ عبادتِ ربّ کی راہ میں پیش آنے والے موانع کو دور کر سکتا ہے۔

نماز کا اصل مقصد: عبادتِ ربّ اور اطاعتِ خالق میں سب سے بڑی رکاوٹ جو انسان کو درپیش ہوتی ہے وہ غفلت' نسیان اور بھول ہے۔ انسان کا اپنے معمولات میں حد درجہ الجھ جانا اور منہمک ہو جانا' اور ان میں کولھو کے بیل کی طرح مصروف رہنا دراصل ایک ایسا چکر ہے جو انسان کو اپنے اندر گم کر لیتا ہے۔ اس لفظ "گُم" سے میرا ذہن علامہ اقبال کے اس شعر کی طرف منتقل ہوا ہے کہ

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

تو انسان کی کیفیت عام طور پر یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول میں، اپنی ضروریات کی فراہمی میں، اور اپنی پریشانیوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ کاروبار کی فکر، ملازمت کی فکر، کام کی فکر، اہل و عیال کی فکر، بچوں کے دکھ اور بیماری کی فکر، بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شادی بیاہ کی فکر اور نہ جانے کتنے تفکرات کے روگ ہیں جو انسان کو لاحق رہتے ہیں اور جن میں وہ گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس گمشدگی کی حالت سے انسان کو نکالنے کے لئے نمازِ پنجگانہ کا نظام ہے۔ نماز انسان کو دن میں پانچ مرتبہ ان تمام مصروفیات سے کھینچ کر باہر نکالتی ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی** "نماز کو قائم کرو میری یاد کے لئے۔" دن میں پانچ وقت اللہ کے حضور کھڑے ہو اور ہر رکعت میں اپنے اس عہد و میثاق کو تازہ کرو کہ **اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** "پروردگار! ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے، اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔" ہر رکعت میں اپنے اس قول و قرار کی از سر نو تجدید کر کے اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کر لو، اپنے بندہ ہونے کی حیثیت کو اپنے شعور میں اجاگر کر لو اور اس ہستی کو یاد رکھو جس سے تم نے یہ عہدِ وفاداری استوار کیا ہے۔ نماز کا اصل مقصد ہی یادِ الٰہی ہے اور اسی یادِ الٰہی سے ان حقائق کی تذکیر ہوتی ہے جن کا نام ایمان ہے۔ پس نماز وہ فریضہ ہے جو انسان کو اس گمشدگی کی حالت سے دن میں پانچ بار نکالتی ہے اور اسے یاد دلاتی ہے کہ وہ کسی کا غلام و بندہ ہے، کسی سے اس نے عہد اطاعت اور عہد وفا استوار کر رکھا ہے اور اسے اپنے تمام معمولات میں اس عہد و میثاق اور قول و قرار کی پابندی کرنی ہے۔

زکوٰۃ کی اہمیت: عبادتِ رب کے راستے کی دوسری سب سے بڑی رکاوٹ حُبِّ مال ہے۔ یہ مال کی محبت ہی ہے جو انسان کے پیر کی بیڑی بن جاتی ہے۔ انسان کی نگاہوں پر جو سب سے بڑا پردہ پڑ جاتا ہے وہ دنیا کی محبت کا ہے، جس کا سب سے بڑا مظہر اور سب سے بڑی علامت (Symbol) حُبِّ مال ہے۔ آپ تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ حُبِّ دنیا "حُبِّ مال ہی کا منطقی نتیجہ ہے" اس لئے کہ مال ہی وہ ذریعہ ہے جس سے آپ دنیا کی ہر چیز حاصل کر سکتے ہیں۔ شہرت، حشمت، وجاہت، عزت، منصب، اقتدار، غرضیکہ نفس کی ہر مطلوب شے مال کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے۔ شوکت و

سطوت اسی کی لونڈیاں ہیں اور تعیش و راحت اسی کے غلام ہیں۔ گویا کہ دنیا اور مال لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ مال کی محبت کو کم کرنے اور اس کو دل سے کھرچنے کے لئے زکوٰۃ کا نظام تجویز کیا گیا کہ اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات نکالو اور انہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے صرف کرو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا: **خُذۡ مِنۡ اَمۡوٰلِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا** (التوبہ: ۱۰۳) یعنی ان کے اموال میں سے صدقات (واجبہ و نافلہ) وصول کیجئے کہ آپ اس کے ذریعے سے انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں--- مال کی محبت کو دل سے نکالنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ یہ مال ہی وہ چیز ہے جس کے لئے انسان حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیتا ہے اور خدا کے احکام سے رُو گردانی کرتا ہے۔ چنانچہ حُبِ مال کے ازالے کے لئے علاج بالمثل تجویز کیا گیا کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں! اس طرح حبِّ مال کی یہ نجاست دِل سے دھلے گی اور تمہارا تزکیہ ہو گا۔

روزہ کی حکمت: عبادتِ رب کی تیسری بڑی رکاوٹ ہمارے نفس کی خواہشات اور اس کے کچھ داعیات ہیں جو فی الاصل جائز خواہشات و داعیات ہیں اور ان میں سے کوئی بھی بجائے خود گناہ نہیں۔ ہمیں زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، ہم پانی کے محتاج ہیں، اسی طرح بقاءِ نسل کے لئے انسان کے اندر جنسی جذبہ رکھا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں اپنی جگہ پر نہ صرف درست بلکہ ضروری ہیں۔ لیکن ان خواہشات و داعیات میں حدِ اعتدال سے تجاوز کا ایک مادہ موجود ہے اور جب یہ حدِ اعتدال سے تجاوز کرتی ہیں تو تقاضا کرتی ہیں کہ اصل حکم ہمارا چلے گا، تمہارا یا تمہارے خدا کا نہیں۔ نفس کے اندر جب ہیجان پیدا ہوتا ہے اور جنسی جذبہ اشتعال میں آتا ہے تو نفس گویا یہ مطالبہ کرتا ہے کہ میرا یہ تقاضا لازماً پورا ہونا چاہئے، مجھے کچھ معلوم نہیں کہ خدا کیا کہتا ہے، رسول کا کیا حکم ہے، حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے! نفس کے اس منہ زور گھوڑے کو قابو میں کرنے کے لئے اور اس کے تقاضوں اور داعیوں کو ایک فطری حد تک محدود رکھنے کے لئے روزہ فرض کیا گیا۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ**○ "اے وہ لوگو جو ایمان

لائے ہو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم بچ سکو!" ـــــ خدا کے احکام کو توڑنے کی جسارت سے بچ سکو اور اس کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگنے سے بچ سکو! تمہارے نفس کے جو بنیادی تقاضے تمہارے جسم میں ودیعت کئے گئے ہیں ان کو قابو میں کرنے کی استعداد اور قوت روزہ کی عبادت سے پیدا ہو گی۔ روزہ کی بدولت ان میں سے کوئی داعیہ بھی اتنا زور آور نہیں رہے گا کہ تم سے اپنی من مانی کرا سکے اور تم کو یہ بات بھلا دے کہ تم خدا کے بندے ہو اور خدا کے قانونِ حلال و حرام کے پابند ہو۔

حج کی جامعیت: اب رہا حج تو اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس میں وہ تمام چیزیں جمع ہو گئی ہیں جو ہمیں نماز' زکوٰۃ اور روزہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس میں یادِ الٰہی بھی ہے' وقتی طور پر علائق دنیوی سے کٹ جانا بھی ہے' انفاق مال بھی ہے' جسمانی مشقت بھی ہے اور نفس کے تقاضوں کو ضبط میں رکھنے کی مشق بھی ہے۔ چنانچہ حج ایک انتہائی جامع عبادت ہے۔

تو یہ چاروں عبادات انسان کو اس طرح تیار کرتی ہیں کہ وہ عبادتِ ربّ کے راستے پر گامزن ہو سکے جو اس کی غرض تخلیق ہے اور وہ اپنے اس عہد پر قائم رہ سکے جو اس نے دنیا میں آنے سے قبل عالمِ ارواح میں کیا تھا' جو سورۃ الاعراف میں بایں الفاظ مذکور ہے: "اَ لَسْتُ بِرَبِّكُمْ ' قَالُوا بَلٰى" یعنی جب ربّ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں تو سب پکار اٹھے کہ کیوں نہیں' ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ تو ہمارا ربّ ہے! اور جس عہد کی تجدید ہم پانچوں نمازوں کی ہر ہر رکعت میں کرتے ہیں۔ اسی ربّ کی غلامی اور بندگی کی دعوت آیت زیرِ مطالعہ میں دی جا رہی ہے کہ: **يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** ○ زندگی گزارنے کے اس طریقہ پر اپنے آپ کو پوری طرح قائم رکھنے کے لئے ہمیں جن قوتوں کی ضرورت ہے اور اس کے موانع اور رکاوٹوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہمیں جو طاقت درکار ہے وہ ان عبادات کے نظام کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

آخر میں اس ساری بحث کا لُبِّ لباب اور خلاصہ ذہن نشین کر لیجئے کہ بنی نوعِ انسان کے نام قرآن کا اصل پیغام اور اس کی اصل دعوت "بندگیٔ ربّ" کی دعوت ہے۔ یعنی انسان سے اس کی پوری زندگی میں کمالِ محبت و شوق کے ساتھ اللہ کی کامل اطاعت مطلوب ہے۔ عبادت محض نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ یہ فرض عبادات پوری زندگی کو خدا کی غلامی اور بندگی میں دینے کے لئے انسان کو تیار کرتی ہیں۔ "عبادتِ ربّ" کا راستہ کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ اس راہ میں بڑی بڑے رکاوٹیں اور Hurdles موجود ہیں، بڑے بڑے لالچ اور ترغیبات اور بڑی خوش نما اور لذت بخش چیزیں انسان کو اس راہ سے روکتی اور اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے اور ان لالچ اور ترغیبات سے بچنے کے لئے دین کے نظام میں یہ عبادات تجویز کی گئیں ہیں۔ نماز ذکر سے غفلت اور نسیان کا علاج ہے۔ زکوٰۃ دل سے مال کی محبت کو کھرچنے اور حُبِّ دنیا کو کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ روزہ نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے اور اس کے تقاضوں اور داعیات کو حدِ اعتدال پر رکھنے کی مشق کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ اور جیسے کہ عرض کیا گیا حج ان تینوں عبادات کی جامع عبادت ہے، جس میں ان کے تمام فوائد جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں ذکر بھی ہے، انفاقِ مال بھی ہے، نفس کے ساتھ رسّہ کشی اور نظم و ضبط کی تربیت بھی ہے۔ جس طرح فوج کو ڈسپلن کا پابند اور خوگر بنانے کے لئے پریڈ کرائی جاتی ہے اسی طرح حج کی عبادت خدا کے سپاہیوں کو نظم و ضبط کا عادی بناتی ہے۔ یہ تمام عبادات انسان کو اصل عبادت کے لئے، جو اس کی غایتِ تخلیق ہے، ہمہ وقت تیار کرتی رہتی ہیں۔ اگر یہ حقیقت بنیادی طور پر سمجھ میں آ جائے تو پھر ان شاء اللہ دین کا پورا نقشہ واضح ہو جائے گا اور اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آ جائے گا کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

"اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس ربّ کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، تاکہ تم (دنیا میں افراط و تفریط کے دھکے کھانے اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے دو چار ہونے سے) بچ جاؤ!!

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۝

الہدیٰ قسط: ۷۶

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۲

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریق کار یا انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۳)

نحمدہ و نصلّی علٰی رسولہِ الکریم○اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم○ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم○

سورۃ الجمعہ کا عمود معین ہو جانے کے بعد اور اس کی مرکزی آیت کے مفہوم و معنی کو کسی حد تک سمجھ لینے کے بعد اب آیئے کہ اس کا آغاز سے تسلسل کے ساتھ مطالعہ شروع کریں۔ ہمیں اس کی ایک ایک آیت پر بھی اجمالاً غور کرنا ہے اور خاص طور پر ہر آیت کا اس سورۃ کے عمود اور مرکزی مضمون کے ساتھ جو ربط بنتا ہے اس کو سمجھنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔ فرمایا:

پُرجلال آغازِ کلام

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ○

"تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے، (اس اللہ کی) جو الملک (یعنی بادشاہ) ہے، القدوس (یعنی پاک) ہے، العزیز ہے (یعنی زبردست ہے) الحکیم ہے (یعنی کمال حکمت والا)" یہ پہلی آیت گویا اس سورہ مبارکہ کے

لئے ایک نہایت پر شکوہ اور پر جلال تمہید اور آغاز کلام ہے۔ تسبیح باری تعالیٰ کا مفہوم اس سے پہلے سورۃ التغابن کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے۔ یہاں یہ نوٹ فرما لیں کہ سورۃ الصف میں اس کا ذکر صیغہ ماضی میں تھا: سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ' اور یہاں فعل مضارع آیا ہے: "یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ۔ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس طرز بیان کو اختیار کر کے تسبیح باری تعالیٰ کے ضمن میں قرآن حکیم نے گویا زمان و مکان کا احاطہ کر لیا ہے۔ اللہ کی تسبیح اس کائنات میں ہر آن اور ہر لحظہ ہو رہی ہے اور کائنات کے ہر گوشے میں یہ عمل جاری ہے۔ "مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" کے الفاظ پر غور کیجئے۔ یہ در اصل کُل سلسلۂ کون و مکان' کُل کائنات کے احاطے کے لئے قرآن حکیم میں مستعمل ہیں ـــــــ اسی طرح فعل ماضی اور فعل مضارع کو جمع کر لیجئے تو کل زمان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ فعل مضارع عربی زبان میں حال اور مستقبل دونوں کو محیط ہے۔ چنانچہ تسبیح کے لفظ کو ماضی اور مضارع دونوں میں لا کر قرآن حکیم نے گویا زمان کا احاطہ بھی کر لیا۔

اللہ کے چار اسماءِ حُسنیٰ اور نبی اکرمؐ کے فرائضِ چہار گانہ

اس آیۂ مبارکہ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے چار اسماء وارد ہوئے ہیں اور یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کے اسماء و صفات عام طور پر آیات کے آخر میں وارد ہوتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر جوڑوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ مثلاً وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ' وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ' وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ' وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ و قِس علیٰ ذالک۔ لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ اکٹھے چار اسماء وارد ہوئے ہیں۔ نوٹ کر لیجئے کہ اس کا اصل سبب اس سورۂ مبارکہ کا عمود ہے۔ ذہن میں تازہ کیجئے کہ اس مرکزی آیت میں جس پر ہم غور کر چکے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کے ضمن میں چار اصطلاحات آئی ہیں' یا یوں کہہ لیجئے کہ آپؐ کی چار شانوں کا ذکر ہے: تلاوتِ آیات' تزکیہ' تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت۔ در حقیقت ان چاروں کا بڑا گہرا ربط ہے ان چار اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ! ـــــــ وہ "الملک" ہے یعنی بادشاہِ ارض و سماوات ہے۔ چنانچہ اس کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں جیسے کوئی منادی کرنے والا کسی شہنشاہ

کے PROCLAMATIONS لوگوں کو سنا رہا ہو۔ گویا "یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ" عکس ہے اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "الملک" کا۔ دوسری شان اللہ کی یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ "القدوس" ہے یعنی انتہائی پاک۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت کا بڑا گہرا تعلق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کردہ دوسری اصطلاح "وَ یُزَکِّیْهِمْ" یعنی عمل تزکیہ کے ساتھ ـــــ اسی طرح "وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ" (وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب یعنی احکامِ شریعت کی) میں اللہ تعالیٰ کی شان "العزیز" کا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ زبردست ہے، مختار مطلق ہے، وہ جو چاہے حکم دے، بندوں کا کام ہے اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت! سورۃ التغابن میں یہ مضمون آچکا ہے: "وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا" سنو اور اطاعت کرو سورۃ البقرۃ میں سود کے بارے میں فرمایا: "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" کان کھول کر سن لو، اللہ نے سود کو حرام کیا ہے اور بیع کو حلال ٹھہرایا ہے، تم کون ہوتے ہو اس پر اعتراض وارد کرنے والے؟ یہ ہے "العزیز" کا مفہوم۔ یعنی ایک ایسی ہستی جس کے اختیارات پر کوئی تحدید نہ ہو، کوئی LIMITATIONS نہ ہوں، کوئی CHECKS AND BALANCES نہ ہوں، مختارِ مطلق! ـــ اور آخری اور چوتھا لفظ جو اللہ کی شان میں آیا ہے، الحکیم، اس کا ربط و تعلق گویا از خود ظاہر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض چہارگانہ میں سے چوتھے کے ساتھ جو درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اساسی منہاج کا نقطہ عروج ہے یعنی تعلیمِ حکمت!

تو پہلی آیت کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ ایک پر شکوہ اور پر جلال تمہید ہے اور اس کے بعد آئی وہ آیت جس پر ہم غور کر چکے: "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ" اس "ھو" کو جوڑ لیجئے پہلی آیت کے ساتھ، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجنے والا ہے کون؟ وہ کہ جس کی تسبیح میں آسمان و زمین کی ہر شے ہمیشہ سے اور ہر آن لگی ہوئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تسبیح میں لگی رہے گی۔ جو الملک ہے، القدوس ہے، العزیز ہے، الحکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے اٹھایا امیین میں سے ایک رسول جو انہی میں سے ہے۔ جہاں تک ان اصطلاحات کا تعلق ہے ان پر تو ہم کسی درجے میں غور و فکر کر چکے ہیں، اب اس آیۂ مبارکہ کے بعض دوسرے پہلوؤں پر ہمیں توجہ کو مرتکز کرنا ہے۔

اُمّی کا مفہوم

اُمیّین یا اُمّی، ـــــــــ یہ لفظ "اُمّ" سے بنا ہے۔ ـــــــــ

ـــــــــ "اُم" عربی زبان میں ماں کے لئے مستعمل ہے۔ "اُمی" سے گویا کسی ایک ایسی کیفیت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جیسے کوئی شخص بطنِ مادر سے برآمد ہوا ہو اور وہ اسی طرح کی کیفیت میں برقرار رہے۔ تو اگرچہ اس اعتبار سے ایک سے زائد مفہوم مراد لئے جا سکتے ہیں لیکن اس لفظ کا استعمال خاص طور پر ان لوگوں کے لئے ہے کہ جن کے ہاں رواجی تعلیم یعنی لکھنے پڑھنے کا رواج نہ ہو۔ قرآن مجید نے اصطلاحاً یہ لفظ استعمال کیا ہے بنی اسماعیل کے لئے، اس لئے کہ اولاً ان میں پڑھنے لکھنے کا رواج ہی بہت کم تھا اور ثانیاً یہ کہ بنی اسماعیل کے لئے یہ لفظ لایا جاتا ہے بنی اسرائیل کے مقابلے میں۔ اس لئے کہ وہ اہلِ کتاب تھے، ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا باقاعدہ رواج تھا، ان کے ہاں شریعت تھی، قانون تھا، عدالتیں تھیں، فقہاء تھے، مفتی تھے، لہٰذا بنی اسرائیل کے پس منظر میں یہ بنی اسماعیل امی اور ان پڑھ تھے، ان کے پاس کوئی قانون، کوئی ضابطہ، کوئی کتاب نہیں تھی یہاں تک کہ لکھنے پڑھنے تک کا رواج نہیں تھا۔

یہاں نوٹ کر لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اولین "اُمیّین" میں تھی۔ آپ کے مخاطب اولین یہی امی تھے، اصلاً آپ کی بعثت انہی میں ہوئی۔ "منہم" کا لفظ اس حقیقت کی جانب رہنمائی دے رہا ہے، بلکہ اس کے حوالے سے مزید اشارہ کر دیا گیا اس بات کی طرف کہ کسی نبی اور رسول کے لئے اس قوم میں سے ہونا جس کی جانب وہ نبی یا رسول بنا کر بھیجے گئے، در حقیقت اس کے فرائضِ رسالت اور منصبِ نبوت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں ممدّ و معاون ہوتا ہے۔ نبی اس قوم کا جانا پہچانا فرد ہوتا ہے جس کی سیرت و کردار سے وہ واقف ہیں، جو انہی کی زبان بولتا ہوا آتا ہے، اجنبیت کا کوئی پردہ اس کے اور قوم کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ یہی دلیل قرآن استعمال کرتا ہے اس اعتراض کے جواب میں کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی فرشتے کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا جاتا: "لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا" کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو ہم لازماً کسی فرشتے ہی کو

پیغامبر بنا کر بھیجتے' جب یہاں انسان آباد ہیں تو ہم نے انسانوں ہی میں سے انبیاء کو مبعوث فرمایا جن کے احساسات وہی ہوں جو دوسرے انسانوں کے ہیں' جن کے مسائل وہی ہوں جن سے دوسرے انسان دو چار ہوتے ہیں' پیٹ انہیں بھی لگا ہوا ہو' جسم و جان کے تقاضے ان کے ساتھ بھی ہوں' تاکہ وہ اپنے جیسے انسانوں پر تبلیغ کریں تو اتمامِ حجت کر سکیں' کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ جس بات کی تم تبلیغ کر رہے ہو یا جو عملی نمونہ تم ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو انسانوں کے لئے قابلِ عمل نہیں ہے!

اب آیئے اس آیہ مبارکہ کے آخری ٹکڑے کی جانب: "وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" ترجمہ: "اور اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔" بنو اسماعیل کی گمراہی کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ان کے اوہام' ان کے مشرکانہ عقائد' ان کی اخلاقی زندگی کا نقشہ معلوم و معروف ہے۔ "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کے مصداق وہ تہہ در تہہ گمراہیوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ فکر کی' عقیدے کی' عمل کی' اخلاق میں' ہر اعتبار سے وہ کجی اور گمراہی کا شکار تھے۔ پھر یہ کہ ان کے معاشرے میں کوئی نظم تھا نہ تنظیم' ہر ایک اپنی جگہ فرعون بے ساماں ہے' کوئی کسی کی بات سننے والا نہیں۔ "وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" میں گویا اس پوری صورت حال کا ایک نقشہ کھینچ دیا گیا۔

نبی اکرمؐ کی بعثت کے دو رخ

آگے فرمایا "وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ"۔ آیت کا یہ ٹکڑا عطف ہو رہا ہے اُمّیّن پر۔ کہ دوسرے کچھ اور بھی ہیں جن کی طرف آپؐ کو مبعوث کیا گیا۔ (یعنی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ وَالْاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ)۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اولاً ہوئی ہے امیین میں' لیکن آپؐ صرف امیین کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ "آخرین" یعنی دیگر اقوام کے لئے بھی آپؐ رسول بن کر تشریف لائے تھے۔

اس بات کو سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ آپ کی ایک بعثتِ خصوصی تھی اہلِ عرب کی طرف' بنو اسماعیل کی طرف' اُمیین کی طرف۔ جب کہ ایک بعثت عمومی تھی اِلَی کَافَّةِ النَّاسِ' یعنی پوری نوعِ

انسانی کی جانب۔ جیسے کہ فرمایا گیا: "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" اور اے نبی' ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر پوری نوع انسانی کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر اس سے قبل سورۃ التغابن کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ میں آپ کو سنا چکا ہوں جس میں آپ کے یہ الفاظ منقول ہیں: "وَاللّٰہِ الَّذی لا اله الا ھو' انی لرسول اللّٰہ الیکم خاصۃً والی الناس کافۃً" کہ اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں' میں اس کا فرستادہ' یعنی رسول ہوں تمہاری جانب بالخصوص اور پوری نوع انسانی کی طرف بالعموم۔ تو یہ ہے مفہوم امیین اور آخرین کا۔ حضور نبی اکرمؐ سے پوچھا گیا' یہ آخرین سے کیا مراد ہے؟ آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس کی قوم۔ آپ نے مزید فرمایا کہ حکمت اور دانائی کی کوئی بات اگر ثریا پر بھی ہو گی تو اس کی قوم کا کوئی نہ کوئی فرد وہاں سے لے آئے گا۔

یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امت محمدؐ کی تشکیل کچھ اس طرز پر ہے کہ اس کا ایک مرکز (Nucleus) ہے جو بنی اسماعیل پر مشتمل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب تھے۔ خود حضورؐ ان ہی میں سے تھے' ان ہی کی زبان بولتے ہوئے آئے۔ آپؐ نے اولاً ان ہی کو تبلیغ فرمائی' انہی کے اندر سے ایک امت تشکیل فرما دی۔ اس کے بعد پھر دوسری اقوام سے' دوسری نسلوں سے اور دوسرے ملکوں سے لوگ گویا تہہ در تہہ دائروں کی شکل میں اس امت میں شامل ہوتے چلے گئے۔ ایرانی آئے' تورانی آئے' ہندی آئے' بربر آئے' ایشیائی آئے' افریقی آئے' یہ سب "آخرین" میں شامل ہیں۔ تو حضورؐ کی بعثتیں دو ہوئیں: اولین بعثت امیین میں اور ثانوی بعثت آخرین میں۔

"وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ" کے الفاظ پر توجہ فرمایئے' یہاں "مِنْهُمْ" معنوی مفہوم میں آیا ہے۔ یعنی جو بھی دائرہ اسلام میں آجائے گا وہ ہندی ہو' وہ مشرق بعید کا زرد رو انسان ہو' افریقہ کا سیاہ فام ہو' یورپ کا سرخ و سفید رنگت کا حامل ہو' یہ سب ملت کی وحدت میں گم ہوتے چلے جائیں گے۔ ایک ملت بنتی چلی جائے گی۔ اسی جانب اشارہ ہے "مِنْهُمْ" میں کہ یہ ایک ہی امت ہے' بعد میں آنے والے اسی امت کا جزو بنتے چلے جائیں گے۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کہ حضور کی بعثت ہوئی آخرین میں بھی جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے' ہو جائیں گے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ وہ اللہ "العزیز"

ہے "الحکیم" ہے۔ اس آخری اور کامل نبوت و رسالت کے بارے میں اس کی حکمتِ تامہ کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ آپؐ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمائے۔ وہ العزیز ہے، زبردست ہے جو چاہے کرے، اور الحکیم ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ——— ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ یہ اللہ کا فضل ہے، دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

یہاں اشارہ کر دیا گیا کہ یہ درجہ بدرجہ فضل کا معاملہ ہے۔ اللہ کا سب سے بڑھ کر فضل ہوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: "اِنَّ فَضۡلَہٗ کَانَ عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا" کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہوا، آپ کو وہ مقام اور وہ مرتبہ حاصل ہو گا جسے مقام محمود سے تعبیر فرمایا گیا ہے: "عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا" تو اولین اور بلند ترین فضیلت حاصل ہوئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سید الاولین والاخرین ہیں، سید الانبیاء ہیں، امام الرسل ہیں۔ پھر بقیہ نوع انسانی کے مقابلے میں ایک درجہ فضیلت کا حاصل ہوا امیین کو یعنی بنو اسماعیل کو ؏

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!

اب یہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور دین ہے کہ اس نے عربوں کو چن لیا کہ ان میں اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا، ان کی زبان میں اللہ کا آخری کلام نازل ہوا، جو طور طریقے ان کے ہاں رائج تھے انہی میں قطع و برید کر کے آخری اور کامل شریعت کا تانا بانا تیار کیا گیا۔ یہ بات اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ "ھُوَ اجۡتَبٰکُمۡ وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰھِیۡمَ" کسی غیر ابراہیمی نسل کے انسان کے لئے مغایرت کا کوئی معاملہ ہو سکتا ہے، زبان کا حجاب ایک بڑی رکاوٹ ہے، پھر نسلی اور موروثی عادات و خصائل کا معاملہ ہے جو منافرت کا سبب بن سکتا ہے۔ لیکن اے بنو اسماعیل تمہارے لئے تو کوئی غیریت نہیں، کوئی اجنبیت نہیں، تمہارے جو موروثی مراسم تھے ان ہی میں سے اکثر و بیشتر کو معمولی سی قطع و برید کے بعد اس آخری شریعت کا جزء بنا

لیا گیا۔ یہ طواف تمہارے ہاں ہوتا چلا آ رہا تھا' قربانی کی رسم تمہارے ہاں چلی آ رہی تھی' منیٰ اور عرفات کا قیام کسی نہ کسی درجے میں تمہارے ہاں جاری تھا' تلبیہ تمہارے ہاں مروّج تھا' اگرچہ اس میں تم نے اپنی طرف سے بعض شرکیہ کلمات شامل کر لیے تھے۔ گویا مجموعی طور پر وہ پورا ڈھانچہ (STRUCTURE) موجود تھا جس میں ترمیم و اضافہ کر کے آخری شریعت کا تانا بانا تیار ہوا۔ تو یہ بلا شبہ ایک فضیلت کا مقام ہے جو انہیں حاصل ہوا۔ پھر درجہ بدرجہ یہ فضیلت حاصل ہے نوع انسانی کے ہر اس فرد کو جو دامن محمدی سے وابستہ ہو جائے' جو ملت اسلامیہ میں شامل ہو جائے' جو اس امتِ محمد (علی صاحبھا الصلوۃ و السلام) میں شریک ہو جائے۔ "ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ○

یہود کا ذکر ــــ بطور نشانِ عبرت

اب اگلی آیت میں یہود کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بات اس سے قبل "المسبّحات" کے تعارف کے ضمن میں اصولاً بیان کی جا چکی ہے' جس کی ایک بڑی واضح اور نمایاں مثال سورۃ الصف میں ہمارے سامنے آ چکی ہے' کہ ان سورتوں میں اگرچہ اصلا خطاب امت مسلمہ سے ہے لیکن سابقہ امت مسلمہ یعنی بنی اسرائیل کو بطور نشان عبرت مسلمانوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ ہر سورت میں بنی اسرائیل یعنی یہود میں اعتقادی یا عملی گمراہیوں کا وہی پہلو زیر بحث آئے گا کہ جو اس سورت کے عمود سے متعلق ہو۔ جہاد و قتال کا مضمون سورۃ الصف میں مذکور تھا تو وہاں اس خاص پہلو سے ان کا جو معاملہ رہا اور قتال فی سبیل اللہ سے انکار کر کے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شدید ذہنی اذیت سے دو چار کیا' اسے نمایاں کیا گیا کہ مسلمانو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس روش کو اختیار کر لو! اب غور کیجئے کہ یہاں سورۃ الجمعہ میں ساری گفتگو قرآن مجید کے گرد گھوم رہی ہے۔ واضح کر دیا گیا کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آلۂ انقلاب قرآنِ حکیم ہے' مزید یہ کہ حضورؐ صرف اُمیّین کے لئے رسول ہو کر نہیں آئے پوری نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

کتاب اللہ کا وارث کون؟

یہی وجہ ہے کہ سیرتِ طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے اسی قرآن کے ذریعے انداز

و تبشیر کا فریضہ سرانجام دیا' اس کے ذریعے تذکیر فرمائی' اور اس کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں امیین میں سے ایک امت تیار فرما دی' اسے تربیت و تزکیہ کے مراحل سے گزارا' اسے نہ صرف یہ کہ کتاب و شریعت کی تعلیم دی بلکہ کتاب کا ایک بھرپور عملی نمونہ اس کے سامنے پیش کر کے دکھا دیا' اور پھر حجتہ الوداع کے موقع پر امت سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ : "اِنّا نَشهدُ اَنّک قد بلّغتَ واَدّیتَ ونصحتَ" (اے نبی' ہم گواہ ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا' اللہ کی امانت درست طور پر پہنچا دی اور نصح و خیر خواہی کا حق ادا کر دیا) خطبے کے آخر میں فرمایا: "فلیبلّغ الشّاھدُ الغائبَ" کہ جو یہاں موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیغام حق کو پہنچائیں ان تک کہ جو یہاں موجود نہیں۔ غور کیجئے' یہی واحد لائحہ عمل ممکن تھا' اس کے سوا کوئی صورت قابل عمل نہیں تھی' اس لئے کہ حضورؐ اگر پوری نوع انسانی کے لئے رسول ہیں' اور بلا شک و شبہ ہیں تو یا تو یہ صورت ہوتی کہ آپ کی حیاتِ دنیوی قیامت تک دراز کر دی جاتی تاکہ آپ اپنے فرائض رسالت خود بنفس نفیس ادا فرماتے رہتے' پھر جو کوئی آپ کا ساتھی بنتا وہ دعوت و تبلیغ کے کام میں آپ کا دست و بازو بنتا جاتا جیسے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے ساتھ دین کی راہ میں تعاون کیا' آپ کی نصرت کی' آپ کے اعوان و انصار بنے' آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں دیں اور اپنی جان اور اپنا مال اس راہ میں کھپایا۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً تبلیغ دین کا کام قیامت تک براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زیر سرکردگی جاری رہتا۔ لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اب ایک ہی راستہ ممکن تھا کہ وہ امت جو آپؐ نے تیار فرما دی' اللہ کا پیغام نوع انسانی تک پہنچانے کی ذمہ دار بنے۔ وہ اُسی قرآن کو ہاتھ میں لے کر نکلے اور اس کی ہدایت تامہ سے پورے روئے ارضی کو منوّر کرے' قرآن کی تعلیمات کو عام کرے اور اس کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرے بلکہ اس کا حق ادا کر دے۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں!

اسی حوالے سے خطبہ حجتہ الوداع کا ایک اور جملہ بھی ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا: "قد ترکتُ فیکم ما اِنِ اعتصمتُم بہٖ لن تَضِلّوا ابدًا' کتابَ اللّٰہ" لوگو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں تمہارے مابین وہ چیز کہ اگر تم نے اس کو تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے' اور وہ ہے اللہ کی کتاب!ــــ غور کیجئے یہاں "اعتصام" کا لفظ آیا ہے۔

اس کا تعلق جوڑ لیجئے سورۃ الحج کے درس کے ساتھ۔ وہاں "وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰہ" کے الفاظ وارد ہوئے تھے اور میں نے عرض کیا تھا کہ اعتصام باللہ کی قدرے وضاحت سورۂ آلِ عمران میں آئی ہے: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ....." اس کی مزید وضاحت کے لئے میں نے قرآن مجید کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنایا تھا کہ: ھو حبلُ اللّٰہِ المَتین" (یہ قرآن ہے اللہ کی مضبوط رسی)۔ یہاں خطبہ حجۃ الوداع میں یہی بات آئی کہ "قد ترکتُ فیکم ما اِن اعتصمتم بہ" ۔ کہ اے مسلمانو، میں تمہارے حوالے کر کے جا رہا ہوں وہ کتاب کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے ـــــــ تو جان لیجئے کہ انبیا کے بعد ان کی امتیں کتاب کی وارث ہوا کرتی ہیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد اب یہ امت کتاب اللہ کی وارث ہے۔ وراثتِ کتاب کا مضمون سورۃ الشوریٰ میں بایں الفاظ آیا ہے: وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ○ ایک شکوے کے سے انداز میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ یا وہ امتیں جو نبیوں کے بعد ان کی کتابوں کی وارث بنتی ہیں وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کتاب کے وارث ہونے کے ناطے امت کا فرض منصبی یہ بنتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب کو ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑی ہو اور اس کے نورِ ہدایت سے چہار دانگِ عالم کو منور کر دے۔ اے مسلمانو، اگر تم یہ فرض منصبی ادا نہیں کرو گے تو جان لو کہ پھر تمہارا طرز عمل وہ ہوگا جو اس سے پہلے یہود اختیار کر چکے ہیں، اور جس کی پاداش میں انہیں مغضوب علیہم قرار دیا جا چکا ہے ـــــ یہاں وہ ربط اب معیّن ہوگیا۔ اگلی آیات کے مضامین کا اس سورت کے مرکزی مضمون کے ساتھ درحقیقت یہی ربط ہے۔

توراۃ کے ساتھ یہود کا طرز عمل ۔ ایک عبرتناک مثال

فرمایا: "مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ○" کہ تم سے پہلے بھی ایک امت حاملِ کتاب بنائی گئی تھی، تورات جیسی نعمت اسے عطا ہوئی تھی۔ حامل کا لفظ "حَمَلَ یَحْمِلُ" سے اسم فاعل ہے۔ اس کا مفہوم ہے

"بوجھ اٹھانے والا"۔ اسی طرح "حَمّال" کہتے ہیں بوجھ اٹھا کر لے جانے والے کو۔ عربی زبان میں یہ لفظ عام طور پر مزدور کے لئے مستعمل ہے یعنی وہ شخص جس کا کام ہی یہ ہے کہ بوجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرے۔ گویا حاملِ کتابِ الٰہی اس قوم کو کہا جائے گا جس کے ذمے یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کو دوسروں تک پہنچائے' اسے پھیلائے' اس کی ہدایت کو عام کرے۔ یہ کتاب رسولؐ کے ذریعے تم تک پہنچی ہے' اب اس کو پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا تمہارے ذمے ہے۔ لیکن یہود نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا: **مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا** "مثال ان لوگوں کی جو حاملِ تورات بنائے گئے (جو اٹھوائے گئے تورات) پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا) **كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا** "اس گدھے کی سی (مثال) ہے جو اٹھائے ہوئے ہو کتابوں کا بوجھ!" یہاں یہود کو اس گدھے کے مثل قرار دیا ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔

عربی زبان میں سِفر اور سَفر دونوں کی جمع اَسفار آتی ہے۔ سِفر کے معنی ہیں کتاب۔ چنانچہ تورات میں شامل کتابوں (یا ابواب) کے لئے یہی لفظ مستعمل ہے' مثلاً سِفرِ پیدائش' سِفرِ تقویم (THE BOOK OF GENESIS) وغیرہ۔ اس اعتبار سے یہاں آیت زیرِ نظر میں "اَسفار" کا لفظ اپنے اندر بڑی معنویت لئے ہوئے ہے۔

"**كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا**" یہ تمثیل بھی نہایت بلیغ ہے۔ گدھے کی پیٹھ پر مکالماتِ فلاطوں کی سو جلدوں کی گٹھڑی باندھ کر رکھ دیجئے اس سے اس کے اندر نہ تو کوئی فلسفیانہ بصیرت پیدا ہو گی اور نہ ہی حکمت اور دانائی کی کوئی بات اسے حاصل ہو گی۔ یہ مثال ہے اس قوم کی جو کتاب الٰہی کی حامل بنائی جائے اور پھر وہ اس کا حق ادا نہ کرے' اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کرے! اگرچہ یہ تمثیل ایک بار تو انسان کو چونکا دیتی ہے کہ توراۃ کی حامل امت کے لئے گدھے کی مثال! لیکن یہ حقیقت ہے کہ کسی نکمی شے کے اندر شناعت اور گراوٹ کا جو پہلو موجود ہوتا ہے اسے واضح کرنے کے لئے کوئی ایسی تمثیل مؤثر ہوتی ہے جس سے طبیعت میں ایک دفعہ لرزش سی پیدا ہو جائے۔ فصاحت اور بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

تکذیبِ حالی

آگے فرمایا: "بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ" ترجمہ "بری ہے مثال اس قوم کی جنہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا" ـــــ یہاں لفظ "تکذیب" بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تکذیب قول سے بھی ہو سکتی ہے اور عمل سے بھی۔ تکذیب باللسان بھی ہو سکتی ہے اور بالحال بھی۔ یہ بھی تکذیب ہی کی ایک صورت ہوتی اگر بنی اسرائیل زبان سے صاف کہہ دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب نہیں ہے، لیکن تاریخ کی گواہی یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اس معنی میں توراۃ کی تکذیب کبھی نہیں کی، ہاں تکذیبِ عملی کے وہ ضرور مرتکب ہوئے۔ وہ تکذیبِ عملی کہ جس کا نقشہ بدقسمتی سے آج اُمتِ مسلمہ پیش کر رہی ہے کہ بجائے قرآن کو اپنا پیشوا، رہنما اور مشعلِ راہ بنانے کے اُمت کی عظیم اکثریت نے اسے طاقِ نسیاں پر رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن نے اس طرزِ عمل کو تکذیب کے لفظ سے موسوم کیا ہے۔ "بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ" یہ اللہ کی آیات کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے! زبان سے چاہے قرآن مجید پر کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کیا جائے، اگر قرآن مجید کو تم نے اپنا امام نہیں بنایا، قرآن مجید کی رہنمائی کو عملاً اختیار نہیں کیا، قرآن مجید کے عطا کردہ ضابطے اور قانون کو نافذ نہیں کیا، اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار نہیں کیا تو گویا کہ اپنے عمل سے تم قرآن کی تکذیب کر رہے ہو۔ یہ تکذیبِ حالی ہے۔

اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک پیشگی تنبیہہ

اب آیئے آیت کے آخری ٹکڑے کی طرف: "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ نوٹ کیجئے یہ وہی انداز ہے جو سورۃ الصف میں آچکا ہے۔ وہاں ظالم کی بجائے فاسق کا لفظ تھا: "وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○" اسلوب اور اسٹائل بعینہٖ وہی ہے۔ یہ چیز ان مشترک اوصاف میں سے ہے جو جڑواں سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ بہرحال اس آیۂ مبارکہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ کتابِ الٰہی کے حامل ہونے کے ناطے ہر امت اور ہر قوم پر کچھ ذمہ

داریاں عائد ہوتی ہیں، اگر ان ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا جائے تو در حقیقت یہ طرز عمل تکذیبِ کتاب کے مترادف ہے۔ یہ ایک پیشگی تنبیہہ تھی امتِ مسلمہ کو کہ اے مسلمانو، کہیں یہی معاملہ تم کتاب اللہ کے ساتھ نہ کر بیٹھنا! --- یہی وہ بات ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت جامع فرمان میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ فرمایا: **یَا اَھْلَ الْقُرْاٰن !** "اے قرآن والو" **لَاتَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ** "قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا" --- وِسادہ کہتے ہیں تکیے کو۔ یہ جملہ دو مفہوم دے رہا ہے (۱) تکیہ پیٹھ کے پیچھے ہوتا ہے، اس اعتبار سے مفہوم یہ ہو گا کہ قرآن کو پس پشت نہ ڈال دینا۔ اور (۲) تکیے پر انسان سہارا لیتا ہے اور ایک سہارا ذہنی اور نفسیاتی بھی ہوتا ہے۔ اس پہلو سے مفہوم یہ ہو گا کہ قرآن کو اس طرح کا ذہنی اور نفسیاتی سہارا نہ بنا بیٹھنا کہ ہم تو حاملِ کتاب ہیں، قرآن کے وارث ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ اس طرح کا ذہنی سہارا بسا اوقات بے عملی کو جنم دیتا ہے --- چنانچہ روک دیا گیا کہ قرآن کو اس نوع کا ایک ذہنی سہارا نہ بنا لینا، بلکہ تمہاری اصل توجہ اس جانب ہونی چاہئے کہ قرآن کے حوالے سے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، قرآن کے ساتھ ہمارا عملی رویہ کیا ہونا چاہئے، اور یہ کہ قرآن مجید کے وہ کون کون سے حقوق ہیں جن کی ادائیگی کی فکر ہر مسلمان کو کرنی ہے اور ان کی ادائیگی کی عملی صورت کیا ہے؟ (نوٹ: اس موضوع پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک نہایت ہی جامع تصنیف "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" موجود ہے، جو دراصل اسی آخری حصے کی تشریح پر مشتمل ہے۔ جن حضرات کی نظر سے وہ نہ گزری ہو وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔) (جاری ہے)

"خلافت، اسلامی ریاست کی فلسفیانہ بنیاد ہے"

پریس کونسل آف انٹرنیشنل افیئرز کے اجلاس سے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی گفتگو

کی مکمل رپورٹ تازہ ندا میں ملاحظہ فرمائیں!

کتابیات

اُخروی زندگی پر گناہوں کے اثرات

زیرِ طبع کتاب "کبائر" کے باب اوّل کی فصلِ خامس (۲)

مؤلف: ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

ج: حساب اور میزان

جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا ہوگی لوگ میدانِ حشر میں اپنی اپنی جگہ نفسا نفسی کے عالم میں انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ کھڑے رہیں گے، بالآخر سیّد الاوّلین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی شفاعت سے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اسی شفاعت کا نام شفاعتِ کبرٰی یا شفاعتِ عظمٰی ہے۔ اور یہ اُس شفاعت سے پہلے اور مختلف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ کبائر یا معاصی کے مرتکب اہلِ ایمان کے حق میں کریں گے۔

قرآن کریم کے بیان کے مطابق تمام انسان میدانِ حشر میں تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ، مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝
وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝[1]

"تم لوگ اُس وقت تین گروہوں[2] میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ دائیں بازو والے، سو دائیں بازو والوں (کی

---

[1] سورت الواقعہ، آیات ۷ - ۱۱

[2] ان تین گروہوں کے علاوہ ایک گروہ اہلِ اعراف کا بھی ہوگا۔ جنت اور جہنّم کے درمیان ایک بڑی وسیع و

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خوش قسمتی) کا کیا کہنا۔ اور بائیں بازو والے، سو بائیں بازو والوں (کی بدنصیبی) کا کیا ٹھکانا۔ اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں، وہ تو مقرب لوگ ہیں "

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آیتِ مذکورہ کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"قیامت کے روز لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک گروہ عرشِ الٰہی کی دائیں طرف ہو گا۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ وصول کرنے والے ہوں گے۔ اہلِ جنت کی اکثریت انہی پر مشتمل ہوگی۔ (قرآن نے اسی گروہ کو 'اصحاب المیمنۃ' کہا ہے)۔

دوسرا گروہ عرشِ الٰہی کی بائیں طرف ہوگا۔ ان لوگوں کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا۔ جہنم کی اکثریت انہی لوگوں پر مشتمل ہوگی۔ (قرآن نے اس گروہ کو 'اصحاب المشئمۃ' کہا ہے)۔

تیسرا گروہ 'السابقون الاوّلون' کا ہوگا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے۔ اور یہ پہلے گروہ سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب ہوں گے۔ اس گروہ میں انبیاء و رسل کے علاوہ ہر امت کے صدیق و شہداء شامل ہوں گے۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے یہ لوگ پہلے گروہ سے کم ہوں گے۔" (تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۲۸، مع اختصار الصابونی۔ سورت الواقعہ کی تفسیر)

کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے سے جو نتائج سامنے آتے ہیں اُن کی تفصیل یُوں ہے:

۱۔ پہلا گروہ جو "اصحاب المیمنۃ" پر مشتمل ہے، اس کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی ضرور ہوگی لیکن محض اعمال نامہ دکھانے کے لیے، انہیں اعمال نامہ سیدھے ہاتھ میں ملے گا اور حساب کتاب بہت

(گزشتہ سے پیوستہ)

عریض سڑک نما فصیل کا نام اعراف ہے۔ کن کن لوگوں کو یہاں ٹھہرایا جائے گا؟ اور بالآخر اُن کا انجام کیا ہوگا؟ یہ بہت تفصیل طلب بحث ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ غالباً یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس دعوتِ حق دلیل و برہان کے ساتھ نہ پہنچی تھی یا اُن کے نیک و بد اعمال برابر تھے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

آسان ہوگا۔ جانچ پڑتال سے واسطہ نہیں پڑے گا بس اِدھر اعمال نامہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا اور اُدھر داخلۂ جنّت کی اجازت مل گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ o فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا o وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا o[1]

"پھر جس کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔"

اس "حساب یسیر" کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں بیان فرمائی:

اِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ وَلَیْسَ اَحَدٌ یُنَاقَشُ الْحِسَابَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا عُذِّبَ۔[2]

"یہ تو محض پیشی ہوگی۔ قیامت کے روز جس کسی کے حساب کی پڑتال ہوگئی اسے تو سزا مل کر رہے گی۔"

۲۔ تیسرا گروہ جو انبیاء و رسل، صدّیقین و شہداء اور ہر امت کے نیکوکار، صالح و راست باز لوگوں پر مشتمل ہو گا، اس میں دیگر امتوں کے علاوہ صرف اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ستّر ہزار افراد شامل ہوں گے۔ ان کی خوش نصیبی و خوش قسمتی کا کیا کہنا، یہ تو بلا حساب کتاب اور بغیر کسی بازپُرس کے جنّت تک پہنچ جائیں گے۔ بلکہ میدانِ حشر میں ہی انہیں حوضِ کوثر کے جامِ طہور سے نوازا جائے گا — اور عرشِ الٰہی کے سایۂ عافیت میں پناہ گزیں ہوں گے۔

۳۔ دوسرا گروہ جسے قرآن کریم نے "اصحاب المشئمۃ" کہا ہے یہ عرش کی بائیں طرف ہوگا انہیں اعمال نامہ بھی اُلٹے ہاتھ میں ملے گا۔ یہ گروہ کافروں، مشرکوں، عادی مجرموں اور کبائر و معاصی کے مرتکب حضرات کا ہوگا۔ انتہائی بے بسی اور لاچاری کے عالم میں میدانِ حشر میں لرزاں و ترساں و پشیمان کھڑے ہوں گے۔ ان کا کوئی حامی، دوست، تعلق دار یا سفارشی بھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] سورت الانشقاق، آیت ۷-۹

[2] صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عُذّب۔ صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، باب اثبات الحساب حدیث ۲۸۷۶

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝[1]

"لو، اب تم ویسے ہی تن تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اور اب ہم تمہارے ساتھ تمہارے اُن سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تم سمجھتے تھے کہ تمہارے کام بنانے میں اُن کا بھی کچھ حصّہ ہے۔ تمہارے آپس کے سب رابطے ٹوٹ گئے اور وہ سب تم سے گم ہو گئے جن کا تم زعم رکھتے تھے۔"

سفارش کرنے والا تو بہت دُور کی بات ہے کسی کو ترجمانی کرنے والا دستیاب نہ ہوگا۔ دائیں بائیں اپنے اچھے یا بُرے کام نظر آئیں گے اور سامنے جہنّم کا منظر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تفصیلات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ ـــــ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔[2]

"تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ براہِ راست گفتگو فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ بندہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اپنا ہی کیا دھرا نظر آئے گا، اور اپنے

---

[1] سورت الانعام، آیت ۹۴۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عُذِّب۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث عن الصدقۃ حدیث ۱۰۱۶۔

بائیں طرف دیکھے گا تو اپنے ہی کرتوت نظر آئیں گے۔ سامنے کی طرف نگاہ اٹھائے گا تو چہرے کی سیدھ میں آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ آگ سے بچنے کا سامان کرو خواہ کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی صدقہ کرکے۔"

اور جب اعمال نامہ کھول کر سامنے کر دیا جائے گا تو مجرم اور آخرت کی جواب دہی سے غافل انسان ہکا بکا رہ جائے گا کیونکہ ذرا ذرا کا حساب درج ہوگا۔ انسان پر یکایک جو کیفیت طاری ہوگی قرآن کریم نے اس کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصَاهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝[1]

"اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنی کتابِ زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو۔ جو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔"

اور بالخصوص کبائر و معاصی کے عادی مجرمین کے ساتھ معاملہ تو بہت ہی عبرت ناک ہوگا، انہیں اعمال نامہ الٹے ہاتھ میں تھماتے ہی جو کیفیت ان پر طاری ہوگی اور پھر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکمنامہ ان کے حق میں جاری ہوگا اس کا نقشہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝ مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

---

[1] سورت الکہف، آیت ۴۹۔

فَاسْلُکُوْہُ۝ؕ[1]

"اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش میری وہی موت (جو دنیا میں آئی تھی) فیصلہ کن ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اقتدار (یا دلیل و حجت) ختم ہوگیا۔ (حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو، پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔"

علاوہ ازیں ایسے لوگوں کو جب اعمال نامہ تھمایا جائے گا تو سامنے کے بجائے پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہْرِہٖ ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَیَصْلٰی سَعِیْرًا ۝ؕ[2]

"رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔ تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔"

احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کبائر کے مرتکب تو ایسے بدنصیب ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ہم کلام ہونا بھی پسند نہ فرمائیں گے۔ لہٰذا اُن کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ ہوگی ــــ مثلاً ٹخنوں سے نیچے تک کپڑا پہننے والا مرد، احسان جتلانے والا، جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت کرنے والا، زائد از ضرورت پانی روکنے والا، دنیاوی مقاصد کے لیے کسی امام سے بیعت کرنے والا، بڑھاپے میں زنا کرنے والا، بادشاہ ہو کر جھوٹ بولنے والا، غریبی میں تکبر کرنے والا، والدین کی نافرمانی کرنے والا، مردوں کی سی ہیئت بنانے والی خاتون، اور اپنے اہلِ خانہ میں بدکاری کو گوارا کرنے والا دیوث۔ احادیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں بصراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن سے ہم کلام نہیں ہوں گے ــــ تفصیلی احادیث باب دوم میں ذکر ہوں گی۔

---

[1] سورت الحاقۃ، آیات ۲۵-۳۲۔ [2] سورت الانشقاق، آیات ۱۰-۱۲

بالآخر "اصحاب المشئمۃ" قبیل کے لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق سزا بھگتنے کے لیے حوالۂ جہنم کر دیا جائے گا۔ اہلِ ایمان اپنی اپنی سزا پوری کرنے اور شفاعت کے بعد وہاں سے نکل آئیں گے، البتہ کافر، مشرک اور منافق جہنم کا ایندھن بن کر وہاں جلتے رہیں گے۔

د: پُل صراط

اپنا اپنا اعمال نامہ وصول کر لینے کے بعد ہر انسان کی اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہو گی۔ یہاں حاضری اور ضروری جانچ پڑتال کے بعد لوگ پُل صراط سے گزرتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ ہاں البتہ دورانِ سفر پُل صراط سے گزرنے کی کیفیت بھی اپنے اپنے اعمال و کردار کے مطابق ہو گی۔ انبیاء و رسل تو آنکھ جھپکنے یا بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گے، اہل اللہ اور متقی حضرات ہوا کی مانند یا تیز رفتار گھوڑے کی سی پھرتی کے ساتھ گزریں گے، البتہ مجرمین اور گناہوں کے عادی افراد کے لیے معاملہ خاصا پریشان کن ہو گا۔ ان میں سے کچھ تو گرتے پڑتے، زخمی ہوتے اور لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے بالآخر گزر ہی جائیں گے۔ اور باقی لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں واصلِ جہنم ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثُمَّ يُؤْتَى بِالْجِسْرِ فَيُجْعَلُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ"، قُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ وَمَا الْجِسْرُ؟ قَالَ: "مَدْحَضَةٌ مَزَلَّةٌ عَلَيْهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ وَحَسَكَةٌ، مُفَلْطَحَةٌ لَهَا شَوْكَةٌ عُقَيْفَةٌ تَكُونُ بِنَجْدٍ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ، الْمُؤْمِنُ عَلَيْهَا كَالطَّرْفِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَنَاجٍ مَخْدُوشٌ وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ۔ حَتَّى يَمُرَّ آخِرُهُمْ يُسْحَبُ سَحْبًا۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب وجوہ یومئذ ناضرۃ۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معرفۃ طریق الرؤیۃ۔

"اس کے بعد پُل (عرفِ عام میں پُل صراط) کو لاکر دوزخ کے اُوپر عین درمیان میں رکھ دیا جائے گا۔"
ہم نے دریافت کیا: "یارسول اللہ! وہ پُل کیسا ہوگا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس پر پھسلن ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں آنکس اور آنکڑے کی شکل میں مڑی ہوئی لوہے کی دھاری دار پتیاں لگی ہوں گی۔ تیز نوکدار کانٹے ہوں گے جن کے سرے مڑے ہوتے ہوں گے، چوڑے چوڑے چونچ کی طرح مڑے ہوئے کانٹے ہوں گے۔ ایسا کانٹا نجد میں پایا جاتا ہے اور وہاں اُسے سعدان کہتے ہیں۔ اہلِ ایمان اس پر سے مختلف انداز سے گزریں گے، کوئی آنکھ جھپکتے ہی گزر جائے گا تو کوئی بجلی کی طرح، کوئی ہوا کی طرح تو کوئی تیز رفتار گھوڑے یا تیز سواری کی طرح۔ باقی اہلِ ایمان میں سے بعض اہلِ ایمان تو بعافیت وسلامتی گزر جائیں گے، بعض کو خراشیں آئیں گی لیکن بچاؤ ہو جائے گا اور کچھ جہنم کی آگ میں گر جائیں گے، حتّٰی کہ آخری آدمی گھسٹتے گھسٹتے پہنچے گا۔"

ایک دوسری حدیث میں پُل صراط کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

"وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: فَاَكُونُ اَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ اَمَا رَاَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: "فَاِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ اَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا اِلَّا اللّٰهُ فَتَخْطِفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ، مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ۔ ثُمَّ يَنْجُو"

"اس موقع پر جہنم پر پُل (پُل صراط) رکھ دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سب سے پہلے اُس پل کو میں پار کروں گا۔ ہر رسول پکار پکار کر کہہ رہا ہوگا: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ (اے پروردگار بچا لیجیے بچا لیجیے) اس پُل پر ٹیڑھے سر والے نوک دار کانٹے ہوں گے۔ جیسا کہ سعدان کا کانٹا ہوتا ہے (یہ کانٹا پنجابی زبان میں بکھڑا کہلاتا ہے) کیا تم نے سعدان کا کانٹا نہیں دیکھا؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ہاں رسول اللہ! تب آپؐ نے فرمایا: "پُل صراط کے کانٹے بالکل سعدان

کے کانٹوں جیسے ہوں گے۔ البتہ وہ کتنے بڑے ہوں گے، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ کانٹے لوگوں کو اُن کے اعمال کے اعتبار سے دبوچتے جائیں گے۔ کچھ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے تباہ ہو جائیں گے۔ (جہنم میں جاگریں گے) کچھ کو خراشیں آئیں گی، لیکن بچ جائیں گے"۔

گویا کہ معاملہ یہاں بھی اعمال کے اعتبار سے ہوگا۔ صالح و متقی حضرات بعافیت گزر جائیں گے اور کبائر و معاصی کے مرتکب اپنے گناہوں کی نحوست بھگتتے ہوئے پار ہوں گے یا واصل جہنم ہو جائیں گے۔ اس انجام کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھیے ـــــ زندگی کا صحیح رُخ از خود متعین ہو جائیگا۔

(جاری ہے)

بقیہ : عرضِ احوال

یکم تا ۱۵ نومبر کی اشاعت میں اس جلسے اور پریس کانفرنس کی تفصیلات بھی شائع کر دی گئی ہیں۔

☆ ☆ ☆

'میثاق' کے جولائی ۹۱ء کے شمارے میں تنظیم اسلامی کے حلقۂ خواتین کی سرگرمیوں بالخصوص حلقہ لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے خواتین کے اجلاسِ عام کی ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی، جس سے بجا طور پر یہ تأثر ملتا تھا کہ تنظیم کا حلقہ خواتین اب پہلے سے زیادہ متحرک اور منظم ہے۔ الحمد للہ کہ پچھلے تین ماہ کے دوران اس صورت حال میں مزید ترقی ہوئی ہے۔ کراچی میں بھی حلقہ خواتین منظم طور پر سرگرم عمل ہو گیا ہے۔ اور اب فعال اور باصلاحیت خواتین پر مشتمل ایک ایسی ٹیم وجود میں آ چکی ہے جس کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ حال ہی میں اواخرِ اکتوبر میں اسی ٹیم نے حلقہ خواتین لاہور کے لئے ایک سہ روزہ تربیتی پروگرام ترتیب دیا تھا جو بحمد اللہ نہایت بھرپور اور کامیاب رہا۔ آخری دن امیرِ تنظیم اسلامی کا خطاب بھی شاملِ پروگرام تھا (اس سے قبل کراچی میں بھی اسی نوع کا تربیتی پروگرام منعقد کیا جا چکا ہے)۔ لاہور میں منعقد ہونے والے تربیتی پروگرام کی قدرے مفصل رپورٹ اللہ نے چاہا تو آئندہ شمارے میں شائع کی جائے گی۔

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام

خلافت کانفرنس کا انعقاد

تشہیری سرگرمیوں پر مشتمل خصوصی رپورٹ

مرتب: غازی و قاص ۔ ناظم تنظیم اسلامی، لاہور شہر

تنظیم اسلامی میں جلسوں کی تاریخ

تنظیم اسلامی لاہور نے جلسہ عام کی روایت کا باقاعدہ آغاز گزشتہ سال ۱۷ مئی ۹۰ء کو لاہور کے جنوبی علاقے میں چوبرجی کوارٹرز کی گراؤنڈ سے کیا تھا۔ جلسہ عام کے انعقاد سے قبل بہت سے سینئر رفقاء نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ موجودالوقت صورت حال میں جبکہ انتخابی سیاست کی مہیب رسہ کشی کے باعث ہر جانب ہاؤ ہو مچی ہوئی ہے، ہمارے جلسے میں عوام کا Response بہت کم ہوگا اور اس طرح عوام پر ہمارے بارے میں اچھا تاثر قائم نہیں ہوگا، لہٰذا ابھی ہمیں اس نوع کے پروگرام کا آغاز نہیں کرنا چاہئے۔ تاہم اس تنظیمی حلقے سے تعلق رکھنے والے رفقاء کے پر زور تقاضے کے پیش نظر امیرِ تنظیم چونکہ وعدہ کر چکے تھے لہٰذا تمام تر اندیشوں کے علی الرغم بالآخر جلسے کے انعقاد کا فیصلہ ہوگیا اور جلسہ مقررہ تاریخ ہی پر منعقد ہوا۔ حلقہ جنوبی کے رفقاء نے اس جلسے کی تشہیر اور انعقاد کے لئے انتھک محنت اور جذبے سے کام کیا۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے جلسہ نہایت کامیاب رہا۔ چوبرجی کوارٹرز کا یہ جلسہ آئندہ منعقد ہونے والے جلسوں کی تمہید ثابت ہوا۔ اس طرح گویا تنظیم اسلامی کی دعوت مساجد اور ہال کمروں سے نکل کر کھلے میدان میں عوام میں متعارف ہوئی۔

اسی سال ۹۰ء ہی میں مرکزی مجلس مشاورت نے پورے پاکستان کے بڑے شہروں میں جلسے کے انعقاد کا پروگرام بنایا اور الحمد للہ کہ تنظیم کی بساط کے مطابق پاکستان کے مختلف شہروں میں جلسہ ہائے عام منعقد ہوئے۔

۴ر اکتوبر کا جلسۂ لاہور

اسی ضمن میں گزشتہ سال ۴ر اکتوبر ۹۰ء کو لاہور میں جلسہ کا انعقاد طے پایا۔ لاہور کے رفقاء کو جب اس کی اطلاع ملی تو ان کا جذبہ دیدنی تھا۔ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر

لاہور کی معروف جلسہ گاہ باغ بیرون موچی دروازہ کا انتخاب کیا جہاں بڑی دینی و سیاسی جماعتیں ہی جلسہ کر سکتی ہیں۔ ہمارے جیسی چھوٹی تنظیم کے لئے موچی دروازہ میں جلسہ کرنے کا فیصلہ ایک چیلنج سے کم نہ تھا۔ اس مقام کے انتخاب کے بعد ایک بہت بڑا چیلنج لاہور کے رفقاء نے اس جذبے کے ساتھ قبول کیا کہ اگر ہم نے خلوص و اخلاص سے کام کیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ضرور شاملِ حال ہوگی۔ الحمدللہ کہ اس نے ہماری محنت کو شرفِ قبول سے نوازا اور ہماری محنت کے عوض ہمارا بھرم رکھا۔ یہ جلسہ تنظیم اسلامی کے تعارف کے اعتبار سے بے حد کامیاب رہا اور نتیجہ تنظیم اسلامی کا نام ملکی صحافتی حلقوں میں بھی متعارف ہوا اور اس کی جھلک اخباری کالموں میں محسوس کی جانے لگی۔ اس جلسہ کے انعقاد کے بعد تنظیم اسلامی پاکستان کی مرکزی سطح پر اور عام رفقاء میں یہ اعتماد پیدا ہوا کہ اس نقار خانے میں کچھ ہماری بھی سنی جاتی ہے' اگر ہم خلوص و اخلاص کے ساتھ دین پر خود عمل پیرا ہوتے ہوئے اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لئے قدم بقدم آگے بڑھتے رہے تو ہماری محنت ان شاء اللہ ضرور رنگ لائے گی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل یعنی غلبہ و اقامت دین کی راہ ہموار ہوگی۔

نیا موڑ

تنظیم اسلامی نے اس سال اپنے فکر میں اسلامی جمہوریت کی جگہ نظامِ خلافت کی اصطلاح کو رواج دیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تحریک لکیر کے فقیر کی مانند ایک ہی ڈگر پر چلتے رہنے اور اپنے موقف اور نہج پر نظرثانی پر آمادہ نہ ہونے کے طرز عمل کی حامل نہیں ہے بلکہ خوب سے خوب تر کی تلاش اور اچھی بات کو قبول کرنا اس کی روایت کا حصہ ہے' بشرطیکہ وہ نئی بات یا نئی تدبیر منہجِ انقلابِ نبویؐ سے اخذ شدہ اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امیر محترم نے کراچی کی ایک پریس کانفرنس میں تحریک خلافت پاکستان کے زیر عنوان رابطہ عوام مہم کے آغاز کا اعلان فرما دیا۔ اور نظام خلافت کے خدوخال پر مشتمل دس نکاتی منشور بھی پیش کر دیا۔

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام خلافت کانفرنس

گزشتہ ماہ تنظیم اسلامی لاہور شہر زونل سطح پر چھوٹے چھوٹے جلسوں کے انعقاد کا پروگرام بنا رہی تھی کہ مرکزی دفتر سے ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کی طرف سے یہ تجویز سامنے آئی کہ چھوٹے چھوٹے جلسوں کے انعقاد کی بجائے اگر لاہور کے کسی معروف مقام پر تحریک خلافت کانفرنس کے عنوان سے جلسے کا انعقاد کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ تنظیم اسلامی لاہور شہر

کے ذمہ دار رفقاء نے اس صائب رائے پر صاد کر دیا۔

جلسہ کے انعقاد کے لئے اہم تر معاملہ تاریخ اور مقام کے تعین کا تھا۔ حُسنِ اتفاق سے گزشتہ سال کی طرح ماہ اکتوبر ہی کا انتخاب ہوا۔ تاہم جو تاریخ مقرر ہوئی وہ گزشتہ سال کے جلسے سے ۹ دن بعد کی تھی۔ مقام کے لئے قرعہ حسبِ سابق موچی دروازہ ہی کے نام نکلا!

جلسے کے لئے تشہیری پروگرام

گزشتہ سال جلسہ عام کے انعقاد کے سلسلہ میں تشہیر کے لئے جو پروگرام ترتیب دئے گئے تھے ان کی روشنی میں جلد ہی ایک خاکہ مرتّب کر لیا گیا۔ اور اس کو عملی شکل دینے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ناظم برائے پوسٹرز، بینرز اور تنصیب ہورڈنگز وغیرہ ــــــ عمران چشتی صاحب

۲۔ ناظم برائے سیکورٹی ــــــــــ چوہدری محمد اسحاق صاحب

۳۔ ناظم برائے جلسہ گاہ موچی دروازہ ــــــ فیاض حکیم صاحب

۴۔ ناظم برائے ٹی بورڈ مہم اور موٹر سائیکل ریلی ــــ سہیل عزیز شامی صاحب

۵۔ ناظم برائے تشہیر بذریعہ اعلانات ــــــ طارق جاوید صاحب

۶۔ ناظم برائے حصول اعانت ــــــ اقبال حسین صاحب

۷۔ پوسٹرز کی طباعت، بینرز کی کتابت اور ہورڈنگز بنوانے کی ذمہ داری راقم (ناظم لاہور) کی تھی۔ مزید برآں مندرجہ بالا تمام امور کی نگرانی کی ذمہ داری بھی ناظم جلسہ نے راقم ہی کو تفویض کی تھی۔

جلسہ کے انعقاد سے قبل جلسہ کی تشہیر اور تحریک خلافت کے تعارف کے لئے مندرجہ ذیل سرگرمیاں عمل میں لائی گئیں:

۱۔ تشہیری مہم

☆ جلسہ کی تشہیر کے لئے ۴۰۰۰ پوسٹر لگوائے گئے۔

☆ ۲۵ بینرز معروف مقامات پر آویزاں کئے گئے۔

☆ ۱۲ فٹ x ۸ فٹ سائز کے چھ ہورڈنگز لاہور شہر کے معروف ترین چوکوں پر نصب کئے گئے۔

☆ ۳۵ ہزار ہینڈ بل جمعہ کے اجتماعات میں لاہور کی چالیس جامع مساجد میں تقسیم کئے گئے۔

☆ ۵ ہزار ہینڈ بل سرکاری دفاتر کے باہر تقسیم کئے گئے۔

☆ ۲۱ ہزار ہینڈ بل ٹی بورڈز مہم کے دوران بازاروں میں تقسیم کئے گئے۔
☆ ۸۰۰ کی تعداد میں خصوصی دعوتی کارڈ علماء کرام اور مقتدر شخصیات کو پہنچائے گئے۔

۲۔ موٹر سائیکل ریلی

تنظیم اسلامی لاہور اس سے قبل زون کی سطح پر ایک چھوٹی سی موٹر سائیکل ریلی منعقد کر چکی تھی، لیکن ۹ر اکتوبر ۹۱ء کو منعقد ہونے والی اس ریلی میں لاہور کی تینوں تنظیموں نے حصہ لیا۔ اس ریلی کے انعقاد سے تنظیم اسلامی کے پروگراموں میں ایک نئے پروگرام کا اضافہ ہوا۔ ریلی میں حصہ لینے والے تمام رفقاء اس پروگرام سے بہت مطمئن تھے اور محسوس ہو رہا تھا کہ یہ پروگرام ٹی بورڈ مہم سے زیادہ موثر ہے۔

۹ر اکتوبر کو رفقاء تنظیم اپنی موٹر سائیکلوں کے ہمراہ حسب ہدایت اڑھائی بجے دوپہر دفتر تنظیم اسلامی لاہور شہر واقع ۲۔ اے مزنگ روڈ پہنچ گئے۔ ناظم ریلی جناب سہیل عزیز شامی صاحب نے ریلی کی ترتیب معین کی اور رفقاء کو ہدایات دیں۔ ماثور دعا "سُبْحٰنَ الَّذِی سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" پڑھ کر ریلی کا آغاز کر دیا گیا۔

ریلی میں سب سے آگے ایک سوزوکی پک اپ تھی جس کے دونوں جانب تحریک خلافت پاکستان کے بینر آویزاں تھے اور چھت پر پبلک ایڈریس سسٹم نصب تھا۔ ناظم ریلی اس گاڑی کے پچھلے حصہ میں کھڑے ہو کر ریلی کی رہنمائی کر رہے تھے۔ گاڑی کے پیچھے پیچھے موٹر سائیکلوں کی دو رویہ قطاریں تھیں۔ موٹر سائیکل سوار کے پیچھے بیٹھے ہوئے رفیق کے ذمہ ٹی بورڈ اٹھانے کی ذمہ داری تھی جو رفقاء نے بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دی۔ ریلی کے پچھلے سرے پر بھی بینرز اور لاؤڈ سپیکر سسٹم سے آراستہ ایک پک اپ تھی۔ ان دونوں گاڑیوں پر جلسہ عام کے اعلانات کے علاوہ مختصر گفتگو بھی ہو رہی تھی۔ یہ ریلی لاہور شہر کی مصروف ترین شاہراہوں کا چکر لگاتی ہوئی جب موچی دروازہ کے قریب پہنچی تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ چنانچہ قریبی مسجد میں نماز عصر باجماعت ادا کرنے کے بعد ریلی کا دوبارہ آغاز کر دیا گیا۔

ریلی کے آگے آگے ٹریفک پولیس کا ایک مستعد دستہ رواں دواں رہا جو ہر چوک پر اطراف سے آنے والی ٹریفک کو روک کر ریلی کو گزارتا اور آگے آگے راستہ صاف کرتا جاتا تھا۔ نماز مغرب سے قبل جب یہ ریلی دفتر لاہور پہنچی تو اس دستے نے سکھ کا سانس لیا۔

ریلی کے اختتام پر رفقاء کو، جو بہت پُر جوش اور مسرور دکھائی دے رہے تھے، آئندہ دو دنوں میں ہونے والی ٹی بورڈ مہموں کے بارے میں یاد دہانی کرائی گئی۔ نماز مغرب کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

۳۔ ٹی بورڈ مہمیں

۱۰ اور ۱۱ اکتوبر کی تاریخیں ٹی بورڈ مہموں کے لئے مخصوص کی گئی تھیں۔ اس مرتبہ بھی گزشتہ سال کی طرح چار مختلف مقامات سے ٹی بورڈ اٹھا کر موچی دروازہ پہنچنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس مرتبہ ان پروگراموں میں موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں پر لاؤڈ اسپیکر نصب کر کے ٹی بورڈ مہم کے آگے آگے اعلان کرنے اور معروف چوکوں میں مختصر تقاریر کرنے کا اضافہ کیا گیا جو بے حد مفید ثابت ہوا۔ بہت سے لوگوں نے کھڑے ہو کر توجہ سے ہمارے رفقاء کی گفتگو کو سنا۔ ان ٹی بورڈ مہموں کے دوران ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے۔

۴۔ گاڑیوں پر اعلانات

اس سال اعلانات کے لئے آٹھ گاڑیاں مخصوص کی گئیں جن پر لاؤڈ سپیکر آویزاں کئے گئے۔ جلسہ کے انعقاد سے پہلے کے چار دن رفقاء نے صبح سات بجے سے رات آٹھ بجے تک بڑی تندہی سے یہ فریضہ سرانجام دیا۔

۵۔ جلسہ گاہ کی تیاری

جلسہ گاہ کی تیاری کی ذمہ داری فیاض حکیم صاحب کو تفویض کی گئی تھی۔ جلسہ کے روز جلسہ گاہ کی تیاری کے لئے رفقاء فجر کے وقت سے ہی پہنچنا شروع ہو گئے اور فیاض حکیم صاحب کے ساتھ جلسہ گاہ کے انتظامات میں لگ گئے۔ الحمد للہ مغرب کے وقت تک جلسہ کی تیاری ہر طرح سے مکمل ہو گئی۔ سٹیج کے بائیں جانب خلافت کے منشور کے دس نکات بینرز پر لکھوا کر آویزاں کئے گئے تھے' جن پر چھوٹی چھوٹی بتیاں جھلمل جھلمل کر رہی تھیں۔

دعوت رجوع الی القرآن کا نقیب، علوم و حکم قرآن کا پرچارک

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور
جاری کردہ: ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم
(پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)

زیر ادارت
ڈاکٹر اسرار احمد
یکے از مطبوعات
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور
فون
۸۵۶۰۰۳

پارکو کا جلسہ سیرت اور قرآن اکیڈمی کا اجتماع جمعہ

امیر تنظیم اسلامی کے حالیہ دورہ کراچی کی رپورٹ

مرتب: نجیب صدیقی

ہر مسلمان کے دل کی خواہش ہے کہ پاکستان میں خلافت کا نظام قائم ہو۔ خلافت سے اس کی ذہنی' قلبی اور جذباتی وابستگی رہی ہے' اور وہ اس کے خواب ہمیشہ دیکھتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے شروع میں متحدہ ہندوستان میں جب خلافت کی تحریک شروع ہوئی تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی' اور یہ شعر تو خواص و عوام کے وردِ زبان ہو گیا ۔

بولیں اماں محمد علی کی - جان بیٹا خلافت پہ دے دو!

اس تحریک نے وہ زور دکھایا کہ چاٹگام سے خیبر تک اور خیبر سے راس کماری تک خلافت کی گونج سنائی دینے لگی۔ گاندھی جی کو بھی اپنی لیڈری بچانے کے لئے خلافت تحریک کا ساتھ دینا پڑا۔ اس تحریک کی سب سے بڑی برکت یہ تھی کہ بھارت کے ہندو اور مسلمان سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔

اس تحریک کے سبب ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بوریا بستر سمیٹنے کی فکر میں لگ گئے۔ یہ خلافت تحریک ہی کی برکت تھی کہ ہندوستان نے تیزی سے آزادی کی طرف سفر شروع کیا' اور ایک وقت آیا کہ آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا۔

جن لوگوں نے ان حالات کو بچشمِ سر دیکھا ہے ان میں سے آج بھی خال خال موجود ہیں اور اب بھی اس کی یاد ان کے خون کو گرما دیتی ہے۔ اس تحریک نے سوئی ہوئی اس قوم کے تنِ مردہ میں جان ڈال دی اور وہ اپنی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لئے کمر کسنے لگی۔ ہزاروں افراد ہجرت پر آمادہ ہوئے اور بیشتر نے ہجرت کر بھی ڈالی۔ آج بھی انکی اولاد افغانستان میں آباد ہے۔

یہ ایک الگ موضوع ہے کہ یہ تحریک ناکام کیوں ہوئی' اس کے اسباب کیا تھے۔ انگریز اس خلافت کے نام سے پریشان کیوں ہو جاتا تھا؟ اس لئے کہ اس نام سے وحدتِ ملّی کا ایک تصور ابھرتا ہے' اسلاف کی روشن تاریخ اس کی پشت پر ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ برصغیر پر جب مغرب کی فکری یلغار ہوئی اور جمہوریت کی دیوی کو مغرب نے بنا سنوار کر سنگھاسن پر بٹھا دیا تو ہمارے اپنے دانشور بھی اسی کے گن گانے لگے اور خلافت کا تصور دھندلا ہوتا گیا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ تقسیم کے فوراً بعد خلافت کی تصویر پر جو وقت کی گرد پڑ چکی تھی اسے جھاڑا جاتا' اس

کے خدو خال اجاگر کئے جاتے اور اسے اپنے اصل مقام یعنی ایوانِ حکومت تک پہنچایا جاتا، مگر افسوس کہ ہمارے دینی دانشور بھی اس طرف توجہ نہ کر سکے اور وہ بھی مغرب کے مفکرین کے ساتھ احیائے جمہوریت کی خاطر شب و روز اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے۔ جمہوریت ہی میں پیوند کاری ہوتی رہی ـــــ پاکستان کا ترقی پسند گروپ جمہوریت، جمہوریت کرتا رہا، اور اسلام پسند گروپ اسلامی جمہوریت کا نعرہ لگاتا رہا۔ اس کھینچا تانی میں نہ جمہوریت آئی نہ اسلامی جمہوریت، بلکہ اس لپاڈگی میں مارشل لاء ثالث بن کر آتا رہا اور ریفری کے فرائض انجام دینے کے نام پر اپنے اقتدار کی بساط بچھاتا رہا۔

اس صدی کے شروع ہی سے مسلمان ممالک میں احیائے اسلام کے نام پر تحریکیں اٹھیں، مگر بد قسمتی سے کسی نے نظام خلافت کو اپنا "ماٹو" نہیں بنایا۔ کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے، نصف صدی سے کچھ زائد کی بات ہے کہ خلافت کا نظام ترکی میں قائم تھا۔

آج ہم جب خلافت کی بات کرتے ہیں تو بعض چہرے حیرت و استعجاب سے دیکھتے ہیں کہ یہ باتیں اس جدید دور میں کی جا رہی ہیں! حالانکہ ہمارے تمام امراض کا علاج اسی میں ہے۔ ذرا دقتِ نظر سے غور کیا جائے تو موجودہ تمام نظام ہائے فکر کے مقابلے میں ہر سطح پر اس کی برتری محسوس ہوتی ہے۔ جس نظریہ کے پیچھے عقیدے کی طاقت موجود ہو اس سے زیادہ مضبوط نظام کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ خلافت کا نظام قائم ہونے کے بعد جب اس کی برکات کا ظہور ہو گا تو دنیا خود اسے اپنی گم گشتہ متاع سمجھ کر اس طرف دوڑے گی۔ یہی وہ بات ہے جو امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۱ر اکتوبر قرآن اکیڈمی کراچی میں "خلافت کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کے موضوع پر اجتماعِ جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے سمجھائی۔

ڈاکٹر صاحب فرما رہے تھے کہ ہمیں بے شعوری کی زندگی ترک کر کے شعور کی زندگی اختیار کرنی چاہئے۔ خود شعوری کی پہلی منزل یہ ہے کہ انسان کی حیثیت سے ہمارا کیا مقام ہے۔ خود شعوری کی دوسری منزل یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان کن امور کے ذمہ دار ہیں۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ تاریخی حقیقت کو پہچاننا بھی شعور کا حصہ ہے۔ موجودہ عالمی تناظر جب تک ہمارے سامنے نہ ہو گا ہمارے فیصلے کبھی بھی صحیح سمت میں نہ ہوں گے۔ ہمیں ان حقیقتوں سے گریز کی راہ اختیار نہیں کرنی ہے۔ حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں اور ان کی تصدیق احادیث نبویہؐ سے ہو رہی ہے اسے بھی پیش نظر رکھنا ہو گا۔

آپ نے فرمایا ذہنوں میں شکوک و شبہات کے جو جنگل اگا دیئے گئے ہیں پہلے انہیں صاف کرنا ہے، اس کے لئے ہمیں انتھک محنت کرنی ہو گی، مغرب کے پروپیگنڈے کا مؤثر توڑ کرنا

پڑے گا۔ ہمیں یہ بتانا ہو گا کہ مغرب نے دنیا کو بے چینی کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ نظامِ خلافت ہی وہ واحد نظام ہے جو دنیا کو امن دے سکتا ہے، سکون و سلامتی اسی سے وابستہ ہے' لہٰذا ہمیں اس کے لئے کمرِ ہمت کسنی ہو گی اور اس کے مطالبے کو تیز سے تیز تر کرنا ہو گا' عوام الناس کی ذہنی سطح تک پہنچ کر اس کی افادیت کو اجاگر کرنا ہو گا اور اس کے لئے قربانی دینے کا داعیہ پیدا کرنا ہو گا۔ جب تک ہم یہ کام نہ کریں گے نظامِ خلافت قائم نہ ہو گا۔ دورِ اوّل میں صحابہ کرامؓ نے یہی سب کچھ کیا ہے!انہی کی قربانیوں کے نتیجے میں روئے ارضی کے ایک بڑے حصہ پر یہ نظام قائم ہوا' اور آج بھی یہ نظام قربانی مانگتا ہے۔ ہمیں یہ کام شوقیہ نہیں کرنا ہے' بلکہ یہ تو ہمارا دینی فریضہ ہے' جس میں کوتاہی پر گرفت ہو گی۔ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ جس حق کو ہم نے شعور کے ساتھ سمجھا ہے اس کو قائم بھی کریں'اس کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دیں۔ محض تلاوت سے اس کا حق ادا نہیں ہو گا۔ یہ نظام قائم ہونے کے لئے آیا ہے۔ اس کا قیام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھا اور آنحضورؐ نے اسے قائم کر کے دکھا دیا۔ ہمیں امتی ہونے کی نسبت سے اس فرض منصبی کو ادا کرنا ہے اور اس میں کوتاہی گرفت کا سبب بنے گی۔ یہ بات یاد رہے کہ پرانے نظام کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کے بعد ہی اسلامی خلافت کا نظام قائم ہو سکتا ہے' جزوی تبدیلی یا کسی قسم کی پیوندکاری بدنامی کا سبب تو بن سکتی ہے تبدیلی کا سبب نہیں بن سکتی۔ ہم نے انگریز کے نظام کو جو ابتک سینے سے لگا رکھا ہے تو آخر کیوں؟ اس میں ہمارے کون سے مسائل کا حل ہے؟۔

قبل ازیں امیرِ محترم نے جمعرات ۱۰۔ اکتوبر کو پاک عرب ریفائنری لیمیٹڈ (پارکو)میں دن کے ۳ بجے سیرتِ نبویؐ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ کا مشن آپ کی سیرت ہے۔ قرآن اس مشن کی رہنمائی کے لئے نازل ہوا تھا تاکہ انسانیت کو نجات کا راستہ دکھا سکے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وقت آ گیا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ آیا اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعی دل کی گہرائیوں سے محبت ہے؟ ہمارا مقصدِ زندگی وہ ہے یا نہیں جو رسول اکرمؐ کا مقصد بعثت تھا؟ یعنی اللہ کے دین کو پہلے اپنے ملک اور پھر دنیا بھر میں نافذ و غالب کرنے کے لئے اپنی جان و مال سے سعی و جہد اور نورِ توحید سے پورے کرۂ ارض کو منوّر کرنے کا عزم۔

انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی چار بنیادیں ہیں۔ اوّلاً حضور اکرمؐ پر ایمان لایا جائے اور آپؐ کی تصدیق کی جائے۔ ثانیاً حضور اکرمؐ کی توقیر و تعظیم کی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ثالثاً دین کے غلبہ کی مہم میں حضورؐ کی نصرت و حمایت کی جائے۔

رابعاً جو نورِ ہدایت یعنی قرآن مجید حضورؐ پر نازل ہوا ہے اس کا اتباع کیا جائے اور رہنمائی حاصل کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ رسولؐ محض مان لینے کے لئے نہیں بھیجا جاتا بلکہ وہ اس لئے مبعوث کیا جاتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں، چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کی اطاعت کی جائے اور ملک کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عدالتی نظام کو ہدایتِ ربانی کے تابع کیا جائے۔ رسول اللہ علیہ وسلم کو صرف مرکزِ عقیدت سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ آپ کو مرکزِ اطاعت تسلیم کرنا ہماری نجات کے لئے ضروری ہے۔ اس اطاعتِ کلی کے بغیر ایمان کا اقرار ایک زبانی دعوٰی تو قرار پائے گا لیکن حقیقی ایمان کے اعتبار سے خدا کے ہاں معتبر نہیں ہو گا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بد قسمتی سے ہمارے یہاں سیرت کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے اس سے حقیقی سیرت کا تعلق بہت کم ہوتا ہے اور اپنے اپنے مسلک کی اشاعت کے لئے سیرت کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ ہم حضورؐ کے اصل مشن کی طرف اس لئے رخ نہیں کرتے کہ اس میں تن من دھن لگانا پڑتا ہے، یہ جان جوکھوں کا کام ہے، اس راستہ میں خون پسینہ بہائے بغیر چلا نہیں جا سکتا، یہ نہ آرام کا راستہ ہے نہ ٹھنڈی چھاؤں کا۔ چراغاں کر لینا، جھوم جھوم کر نعتیں گا لینا نفس کی تسکین کا سامان تو ہو سکتا ہے دین کا طریقہ ہرگز نہیں۔ سیرت کا تقاضا اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو صحابہ کرامؓ کو اتنی محنت نہ کرنی پڑتی، وہ بھی نعت کی محفلیں جماتے اور فارغ ہو جاتے۔

ڈاکٹر صاحب جس اسلامی انقلاب کی تیاری میں شب و روز کوشاں ہیں وہ دین کا تقاضا ہی تو ہے۔ جو لوگ دین کے اس تقاضے سے دست بردار ہو گئے ہیں انہوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق گوشہ ہائے عافیت تلاش کر لئے ہیں۔ یقیناً انہوں نے ان سوالات کے جوابات سوچ لئے ہوں گے جو اس سلسلے میں آخرت میں کئے جائیں گے۔

دنیا اگر "مزرعۃ الاخرہ" ہے تو کھیتی کرنے کے لئے جو محنت درکار ہے وہ تو کرنی ہو گی، بغیر محنت کے پھل کی تمنا کوئی سمجھدار تو نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اپنی ذمہ داری کے بارے میں ہمیں فرداً فرداً سوچنا چاہئے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ذمّہ داری سمجھ کر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، ہماری محنت ہمارے کام آئے گی۔ ہم تنہا اگر کوئی بڑی محنت نہیں کر سکتے تو محنت کرنے والوں کا ساتھ تو دے سکتے ہیں، ان کے قدم سے قدم ملا کر چل تو سکتے ہیں، ان کے دست و بازو تو بن سکتے ہیں۔

("پارکو" کے جلسۂ سیرت سے امیرِ محترم کے خطاب کی رپورٹنگ کو کراچی کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ ان میں سے بعض اخبارات کے تراشے "ندا" کی ۳۱ر اکتوبر کی اشاعت میں شائع کئے گئے ہیں)

پارکو کے خطاب کے بعد اسی دن بعد نماز عشاء مسجد طیبہ باتھ آئی لینڈ کلفٹن میں سیرت کا جلسہ تھا، جس سے امیرِ محترم نے خطاب کیا۔ امیر محترم نے سورۃ الصف کے حوالے سے

(باقی صنا پر)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

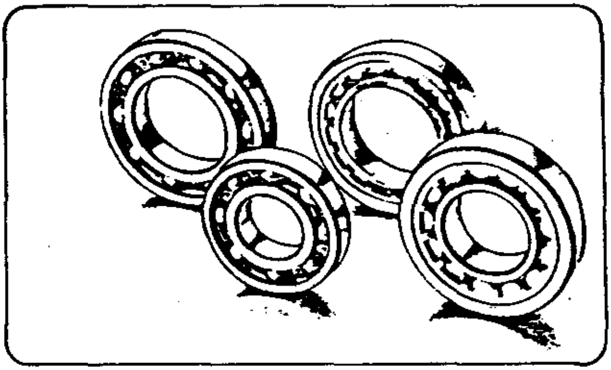

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

خطوط و نکات

(۱)

پشاور سے مولانا راحت گل کا مکتوب گرامی

محترم جناب ڈاکٹر صاحب زید مجدکم، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ نے مجھے بھلایا نہیں ہو گا۔ "میثاق" میرے پاس آتا نہیں۔ چند روز پیشتر اسلام آباد میں ایک دوست کے ہاں اگست کا شمار دیکھا، "جمہوریت نہیں خلافت" حقیقت بھی یہی ہے کہ خلافت ہی وہ واحد ذریعہ جس سے ملتِ اسلامیہ کے درد کا مداوا ممکن ہے۔

میں مدت سے اس موضوع پر خاموشی سے کام کر رہا ہوں۔ چونکہ نہ تو میری کوئی تنظیم ہے اور نہ کسی تنظیم سے وابستہ ہوں۔ اور نہ کسی تنظیم میں رہ سکتا ہوں۔ کیوں؟ بس چھوڑیئے۔

ضیاء الحق صاحب کے دور میں بھی ان سے یہی گذارش کی تھی، پھر اہل تشیع خصوصاً حکومتِ ایران کی طرف اتحادِ امت کی تحریک پر ایک کتابچہ اردو اور عربی میں لکھا، جس کے آخر میں یہ تجویز بھی کی تھی، کہ خلافت کا قیام ضروری ہے۔

بغداد کانفرنس کے لئے جو مقالہ لکھا تھا وہاں بھی یہی تجویز رکھی، جس میں صدر صدام حسین صاحب بھی موجود تھے۔ اب آپ نے قیام خلافت کے لئے جو تحریک شروع کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مساعیٔ جمیلہ میں برکت عطا فرماوے اور کامیابی نصیب ہو۔

میں اپنی پوری کارگزاری تو فی الحال آپ کے پاس پیش نہیں کر سکتا، البتہ بالکل ابتدائی قرارداد کی عربی و انگریزی نقول ارسال کر رہا ہوں۔

راحت گل
(مؤسس و مدیر مرکز العلوم الاسلامیہ، پشاور)

(۲)

ھنگو (صوبہ سرحد) سے جناب ڈاکٹر عمر فاروق بلال کا خط

مولانا مکرم و محترم مرحوم و مغفور سید ابو الاعلیٰ صاحب کا نعرہ مستانہ ہو یا مکرمی و محترمی ڈاکٹر اسرار احمد کا نعرہ قلندری ہو، خلافت ہماری پہچان ہے۔ دراصل یہ تنظیم کی اولین ضرورت تھی جو ابھی محسوس کی گئی۔ دیر آید درست آید۔ اور مزید آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ یہ کالج، یہ نیو گارڈن، یہ ٹاؤن وغیرہ کے طوق غلامی بھی اب گلے سے اتار لینے چاہئیں۔

اگر مولانا مکرم محترم مرحوم و مغفور سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں تو مکرمی محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہمارے دل کی دھڑکن ہیں۔ ان دونوں اصحاب کی ہمارے ساتھ خداوند کریم کے حوالے سے پہچان ہے۔ یہ خداوند کریم کے دین کے خادم ہیں اور ہم ان کے خدمت گار ہیں۔ ہمارے رحمان بابا جو پشتو کے صوفی ولی اللہ شاعر ہیں فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) "ہم اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ کے چکر میں پڑنے والے نہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتے کہ ہم ان سب کے خدمت گار ہیں جو خدا کے دین کے خدمت کرے۔"

والسلام مع الاکرام
عمر فاروق بلال

(۳)

تاریخی ریکارڈ درست رکھئے!

کراچی سے حسن احمد صدیقی کا مراسلہ

مکرمی جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم۔ مزاجِ گرامی

گزشتہ دنوں ہندوستان گیا ہوا تھا، آپ نے حج سے واپسی پر شاید فون کرایا ہو۔ بہرحال آئندہ کراچی آمد پر یاد رکھئے۔ اب آپ کی تنظیم کے عملی طور پر میدان میں اترنے کا وقت آگیا ہے اور ان شاء اللہ کامیابی بھی ہوگی۔

پاکستان کی تاریخ اور واقعات کو کس قدر مسخ کر دیا گیا ہے کہ سچ کی جگہ جھوٹ اور وہ بھی بے مقصد غالب ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر "پاکستان ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہوا اور اس روز جمعہ کا دن اور ۲۷ر رمضان تھا۔" حالانکہ جمعہ کا دن ۱۵ر اگست اور ۲۷ر رمضان بھی ۱۵ر

اگست کو تھی۔ ۱۴؍ اگست جمعرات کا دن تھا اور ۲۶ واں رُوزہ تھا۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ آزادی ہمیں بھی ۱۵؍ اگست کو ملی تھی۔ ۱۴؍ اگست کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے موجودہ سندھ اسمبلی میں، جو اس وقت دستور ساز اسمبلی تھی، تقریر میں کہا کہ آج آپ Birtish Subject ہیں اور کل سے آپ آزاد ملک کے شہری ہوں گے۔ خود قائداعظم نے ۱۵؍ اگست کو گورنر جنرل کے عہدہ کا حلف اٹھایا اور کابینہ نے وزیراعظم لیاقت علی خاں کی سربراہی میں حلف ۱۵؍ اگست کو لیا۔ بعد میں قائداعظم کی صدارت میں کابینہ نے فیصلہ کیا کہ ہم اپنا یوم آزادی ۱۴؍ اگست کو منایا کریں گے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ آپ کسی دن کو بھی اپنا قومی دن بنا سکتے ہیں، لیکن آزادی کا دن ۱۴؍ اگست لکھنا اور اس دن کو جمعہ کا دن اور ۲۷؍ رمضان بتلانا کس قدر غلط بات ہے، جو نوجوان نسل میں ابہام اور بداعتقادی پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اسی طرح خود قائداعظم کے متعلق بلا ضرورت جھوٹ لکھا جا رہا ہے جس نے ان کا Image کو بڑھایا نہیں بلکہ بگاڑا جا رہا ہے۔

اسی قسم کے بے مقصد جھوٹ قوم میں یہ تاثر قائم کر رہے ہیں کہ ہماری بنیاد ہی جھوٹ اور بدنیتی پر رکھی گئی ہوگی۔ اور قوم نے بے خوف بن کر اسلام کے جذباتی نعرہ میں آکر قربانیاں دی ہوں گی، ورنہ ۱۵؍ اگست کو جو کو جمعہ کا دن تھا اور ۲۷ واں روزہ بھی، زیادہ متبرک سمجھا جانا چاہئے تھا، نہ کہ صرف اس لئے کہ یہ دن ہندوستان بھی منائے گا بدل کر ۱۴؍ اگست کر لیا گیا اور اس پر طرہ یہ کہ تاریخ کو بدل کر اس دن کو غلط پور پر جمعہ کا دن اور ۲۷ واں روزہ بھی بنا دیا گیا۔

اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ بات اپنے رسالہ میں شائع کر سکتے ہیں تاکہ اس کی تصحیح ہو سکے کیونکہ ابھی تو وہ لوگ زندہ ہیں جو ۱۴؍ اگست کو دستور ساز اسمبلی اور ۱۵؍ اگست کو آزادی کی تقریب اور رسم حلف برداری میں شریک رہے ہیں۔

میں آپ کے آئندہ دورۂ کراچی کے موقع پر آپ کے فون کا منتظر رہوں گا۔

(۴)

حکمرانوں کا قابل اعتراض طرز عمل

محترمی و مکرمی، "میثاق" اکتوبر کے شمارہ میں قائم مقام امیر تنظیم اسلامی محترم قمرسعید قریشی کا لیڈی ڈیانا کے بارے میں اخبارات کو جاری ہونے والا بیان پڑھا۔ اس کا بڑی

شدت سے انتظار تھا کہ "میثاق" اس سلسلے میں صدائے احتجاج بلند کرے گا کیونکہ نہی عن المنکر "میثاق" کے اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ قائم مقام امیر کا بیان بڑا بروقت اور دین کے نام پر قوم کا استحصال کرنے والے حکمرانوں کے منہ پر زور دار طمانچہ ہے۔ ہمارے ارباب اقتدار میں سے ہر ایک نے یعنی صدر سے لے کر کابینہ کے وزراء تک، لیڈی ڈیانا کے ساتھ جس تپاک اور گرمجوشی سے ہاتھ ملائے اس سے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ عمل IJI کے منشور کا حصہ ہے۔ میں آپ کے مؤقر ماہنامے کے توسط سے اسلام کے نام پر انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے والوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ اسلام کے کس حکم پر عمل ہوا ہے کہ ایک نوجوان اور نامحرم عورت سے ہاتھ ملائے گئے؟ کیا اسلام مسلمان سربراہانِ مملکت و حکومت کو اجازت دیتا ہے کہ وہ نامحرم خواتین سے اس طرح ملاقات کریں جس طرح کہ برطانوی شہزادی سے کی گئی؟ یہی عمل جب بے نظیر بھٹو نے امریکہ میں کیا تھا تو ہمارے اسلام کے علمبرداروں نے بڑا شور برپا کیا تھا۔ میرا مقصد بے نظیر بھٹو کے طرز عمل کا جواز پیش کرنا نہیں بلکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح بے نظیر بھٹو کا فعل (امریکی صدر یا وزراء سے ہاتھ ملانا) غلط تھا اسی طرح صدر غلام اسحاق اور وزیراعظم محمد نواز شریف کا بھی لیڈی ڈیانا سے ہاتھ ملانا غلط ہے۔ اسلام کے حوالے سے بے نظیر کی نسبت IJI کے حکمرانوں کا یہ طرز عمل زیادہ قابل اعتراض ہے کیونکہ یہ سب اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے جو کہ درحقیقت اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔

مزید ستم یہ ہے کہ ہمارے ملک میں علماء کا طبقہ بالکل چپ سادھے ہوئے ہے۔ تاحال میرے علم میں نہیں آیا کہ علماء کے طبقے نے حکمرانوں کے اس طرز عمل پر کوئی تنقید کی ہو۔ کیا علماء کرام کا یہ فریضہ نہیں بنتا کہ وہ منکر کے خلاف آواز اٹھائیں؟

عبداللہ، رسالپور

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیوین ممالک' شمالی امریکہ روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ترک کردم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندی وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

A-3/C/IV ناظم آباد کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY

Meesaq

36-K, Model Town, Lahore-Pakistan.

Regd NO. L 7360

VOL. 40 NO. 11

NOV. 1991

انسٹنٹ

جوھر جوشاندہ

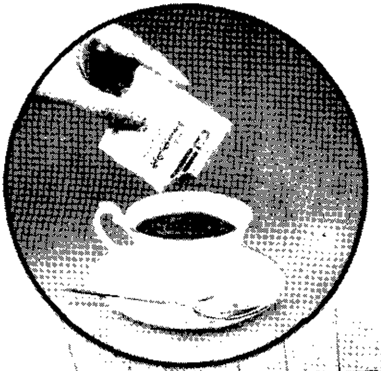

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی سوزش کے لیے مفید

صدیوں سے آزمودہ **جوشاندہ** اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ **جوھرجوشاندہ** کی شکل میں۔

خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید **جوھرجوشاندہ** فلو، نزلہ، زکام کی علامات میں آرام پہنچاتا ہے۔

موسمی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے **جوھرجوشاندہ** احتیاطی تدبیر کے طور پر استعمال کریں۔

ترکیب استعمال: ایک کپ گرم پانی یا چائے میں ایک پیکٹ **جوھرجوشاندہ** ملائیں اور جوشاندہ تیار

دن میں دو یا تین پیکٹ **جوھرجوشاندہ** استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت